ٹھینگا
فرحان شیخ
(محی الدین نواب)
جاسوسی ڈائجسٹ : نومبر 1999
سیف الملوک عباسی
محمد نعمان
محمد سجاد بھٹی

ثمر حسان شیخ

(ا)س بہادر اور محبِ وطن انسان کی کہانی جو دشمن کی آنکھ میں خار بن کر کھٹک رہا تھا۔ اس کو راستے سے ہٹانا دشمنوں کے لیے بہت ضروری ہو گیا تھا۔ اس کام میں تعاون کے لیے انہیں کسی گھر کے بھیدی کی ضرورت تھی اور وہ انہیں بآسانی مل گیا۔ وطن دوستوں اور وطن دشمنوں کے درمیان معرکہ آرائی کا یہ فسانہ چشم کشا بھی ہے اور عبرت اثر بھی۔ یہ بھی درست ہے کہ اس ملک میں وطن سے محبت کرنے والوں کی کوئی کمی نہیں جو وقت پڑنے پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے اور اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ ہماری صفوں میں کالی بھیڑیں بھی آسانی سے مل جاتی ہیں۔

خیر و شر کی ازلی کشاکش کا مرقع، ایک سنسنی خیز اور دلچسپ داستان

اسلام آباد کی شاہراہوں اور گلیوں کے قمقمے راتوں کو یوں جگمگاتے ہیں جیسے شہر جاگ رہا ہو لیکن شہر سوتا ہے، سڑکیں اور گلیاں جاگتی ہیں۔ یہ تو ایک عام سی بات ہے کہ جو سوتے ہیں، وہ کھوتے ہیں اور جو جاگتے ہیں، وہ پاتے ہیں لہٰذا ایسے افراد ان راتوں میں کچھ پانے کے لیے ضرور جاگتے رہتے ہیں۔

راج دھرما کی زندگی اور موت کا سوال تھا اور وہ موت نہیں زندگی پانا چاہتا تھا اس لیے رات کو جاگ رہا تھا۔ اس کے خلاف کچھ ایسے ثبوت ملے تھے کہ وہ اسلام آباد میں رہ کر بہت اہم معاملات میں سراغ رسانی کر رہا ہے لیکن وہ ثبوت مکمل نہیں تھے۔ اسے انٹیلی جینس کے دفتر میں طلب کیا گیا تھا۔ اس کے سفارت خانے میں شکایت کی گئی تھی لیکن اس کے مجرم ہونے پر اس کے ملک کے سفارت خانے نے بھی انکار کیا تھا اور وہ خود بھی اپنے جرم سے منکر تھا لیکن یہ جانتا تھا کہ کسی دن بھی گرفت میں آسکتا ہے اور کوئی ٹھوس ثبوت سراغ رسانوں کے ہاتھوں لگ سکتا ہے۔

بھارتی اخبارات اور دوسرے میڈیاز کے ذریعے یہ کہا جا رہا تھا کہ حکومتِ پاکستان بھارتی سفارت خانے کے ایک کارکن راج دھرما پر جھوٹے الزامات عائد کر کے اسے پریشان کر رہی ہے اور اسے ناپسندیدہ شخص قرار دے کر اپنے ملک سے نکال دینا چاہتی ہے۔ اس سلسلے میں راج دھرما پر تشدد بھی کیا گیا ہے۔

کسی بھی غیر ملکی سفارت خانے کے کسی بھی فرد پر کبھی تشدد نہیں کیا جاتا۔ اگر کوئی اعتراض ہو تو اسے طلب کر کے سوالات کیے جاتے ہیں۔ جوابات اگر اطمینان بخش نہ ہوں تو سفارت خانے سے شکایت کی جاتی ہے کہ آپ کا فلاں شخص ناپسندیدہ ہے اس سے پوری طرح صفائی پیش کرنے کے لیے کہا جائے ورنہ اسے ناپسندیدہ شخص کہہ کر ملک سے باہر نکال دیا جائے گا۔

لیکن وہ جھوٹا الزام دے چکے تھے کہ پاکستانی سراغ رسانوں نے راج دھرما پر تشدد کیا ہے۔ اس بات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کچھ پلاننگ کی گئی تھی اور اس رات اس پر عمل ہونے والا تھا۔ وہ تنہا ایک بنگلے میں تھا۔ اس نے اپنی اٹیچی میں کپڑوں اور دیگر ضروریات کے سامان کے علاوہ بہت سے اہم کاغذات اندر چھپا لیے تھے اور وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ صبح ایک فلائٹ سے واپس بھارت جانے والا تھا۔ اس سے پہلے وہ ایک میز اور کرسی کے پاس آیا۔ میز پر ٹیلی فون رکھا ہوا تھا اور ٹیلی فون کے پاس ہی ایک بڑا سا کیسٹ ریکارڈر بھی تھا۔

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ آرمی انٹیلی جینس کے ایک شخص کو مخاطب کر کے کہا "میں بھارتی سفارت خانے کا ہیڈ کلرک راج دھرما بول رہا ہوں۔ آپ لوگ دشمنی کی انتہا کر رہے ہیں۔ مجھ سے جتنے سوالات کیے گئے، میں نے ان کے جوابات دیے۔ میرے سفارت خانے کی طرف سے بھی صفائی پیش کی گئی لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ مجھے مار ڈالنے کی کوششیں کی جا رہی

ہیں۔"

دوسری طرف سے جواب ملا "آپ کو خواہ مخواہ شبہ ہو رہا ہے۔ جب تک آپ ہمارے ملک میں ہیں، آپ کی سلامتی اور حفاظت کی ذمّے داری ہماری ہے۔"

"اگر سلامتی اور حفاظت اس طرح ہوتی ہے کہ آپ کے گن مین میری کوٹھی کے چاروں طرف گھومتے رہیں تو کوئی بھی مجھے گولی مار سکتا ہے۔ میں نے ابھی ایک سایہ اپنی کھڑکی کے سامنے دیکھا ہے۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔ ہم نے آپ کی حفاظت کرنے والوں کو تاکید کی ہے کہ وہ آپ کی کوٹھی سے دور رہیں، قریب کوئی نہیں آسکتا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی راج دھرما نے بڑے سے کیسٹ ریکارڈر کا ایک بٹن دبایا، اس کے ساتھ ہی ٹھائیں سے گولی چلنے کی آواز آئی پھر دوسرے فائر کی آواز سنائی دی۔ راج دھرما نے اس کیسٹ ریکارڈر کو آف کرکے کہا۔ "دیکھئے یہ دیکھئے، یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیا آپ فون کے ذریعے آواز سن رہے ہیں۔ ابھی میں فائرنگ کی آواز سُن رہا ہوں۔"

پھر اس نے کیسٹ کا بٹن دبایا تو ایک فائر کے ساتھ شیشے ٹوٹنے کی آوازیں آئیں۔

وہ فوراً ہی ٹیپ ریکارڈر کو بند کرکے چیختے ہوئے بولا "میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ میں مرجاؤں گا۔ میرے سفارت خانے کو اطلاع دی ئے۔ میری حفاظت کی جائے یہ سراسر ظلم ہے۔"

اس نے پھر کیسٹ ریکارڈر کا بٹن دبایا تڑ، تڑاتڑ کی مستقل آوازیں اس طرح آنے لگیں جیسے گولیاں چلائی جارہی ہوں اور کمرے کی بہت سی چیزیں ٹوٹ پھوٹ کر گرتی پڑتی جارہی ہوں۔ وہ ٹیلی فون کا ریسیور کیسٹ ریکارڈر کے سامنے رکھ کر ایک ایزی چیئر پر بیٹھ گیا پھر ایک سگار منہ میں دبا کر اس کو سلگانے لگا۔ فائرنگ کی مسلسل آوازوں اور ٹوٹنے پھوٹنے والی چیزوں کے ساتھ آخر میں ایک زبردست دھماکا سنائی دیا۔ اس کے بعد وہ ریکارڈر خاموش ہوگیا۔ اس کیسٹ میں یہیں تک آواز ریکارڈ کی گئی تھی۔ اس نے اسے بند کردیا پھر ایزی چیئر پر دوبارہ آرام سے بیٹھ کر سگار کا دھواں چھوڑنے لگا۔

دوسری طرف انٹیلی جینس والے پریشان ہو رہے تھے۔ وہ آرمی کے چند جوانوں کو ساتھ لے کر نہایت تیزی سے اس راج دھرما کی کوٹھی میں پہنچے تو باہر سے ہی پتا چل گیا کہ زبردست دھماکا ہوا ہے اور دیواریں تک تڑخ گئی ہیں۔ کھڑکیاں اور دروازے ٹوٹ گئے ہیں۔ اندر بری طرح تباہی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک میز پر ٹیلی فون رکھا ہوا تھا اور اس کا ریسیور نیچے تار سے لٹک رہا تھا۔ قریب ہی فرش پر ایک شخص کی لاش کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ بم دھماکے کے باعث اس کا چہرہ ناقابلِ شناخت ہوگیا تھا۔

دوسری خفیہ کوٹھی میں راج دھرما ایک ایزی چیئر پر آرام سے جھولتا ہوا سگار کے کش لگا رہا تھا اور دھواں چھوڑتے ہوئے آئندہ کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اس کا ایک جعلی پاسپورٹ پہلے سے تیار ہوچکا تھا۔ اس کے مطابق وہ وہاں سے سنگاپور جانے والا تھا۔ براہِ راست بھارت جاتا تو اس پر شبہ کیا جاسکتا تھا۔ اب اسے اس پاسپورٹ کی تصویر کے مطابق اپنے چہرے پر تھوڑی سی تبدیلیاں کرنا تھیں لہٰذا وہ ایزی چیئر سے اٹھ کر سگار کو بجھاتا ہوا دوسرے کمرے میں آیا۔ وہاں ایک ڈریسنگ ٹیبل کے بڑے سے آئینے کے پاس میک اَپ کا سامان رکھا ہوا تھا۔ وہ وہاں بیٹھ کر پاسپورٹ کی تصویر دیکھتے ہوئے اپنے چہرے پر تبدیلیاں کرنے لگا۔

کسی بھی ملک میں اگر غیر ملکی سفارت خانے کا کوئی اہم فرد مارا جائے تو اس ملک کی حکومت کے لیے بڑے بڑے مسائل پیدا ہوجاتے ہیں۔ حکومت پاکستان کے لیے بھی یہ بڑا مسئلہ پیدا ہوگیا تھا کہ بھارتی سفارت خانے کا ایک فرد راج دھرما مارا گیا تھا۔ پہلے حکومت نے اس پر شکوک ظاہر کئے تھے۔ اس سے طرح طرح کے سوالات کئے تھے پھر یہ خبر شائع کی گئی کہ اس پر تشدد کیا گیا تھا۔ اب انتہا یہ ہوگئی کہ اسے مار ڈالا گیا۔ ایسے حالات میں دنیا کے تمام ممالک ناگواری کا اظہار کرتے ہیں اور تمام سفارت خانوں سے یہ احتجاج بلند ہوتا ہے کہ ان کے سفارت خانوں کے افراد بھی اس طرح پاکستان میں محفوظ نہیں رہ پائیں گے۔

آرمی انٹیلی جینس کے ایک معروف سراغ رساں علی سردار بھٹی نے یہ کیس اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس تباہ شدہ کوٹھی میں آکر تمام ٹوٹی پھوٹی چیزوں کو اور ٹکڑے ہونے والی لاشوں کو بغور دیکھا اور سوچتا رہا پھر اس نے میز پر رکھے ہوئے ٹیلی فون کو دیکھا۔ وہاں سے اٹھ کر ٹیلی فون کے پاس آیا پھر رومال سے ریسیور کو پکڑ کر اپنے کان سے لگا کر ری ڈائل کے بٹن کو دبایا، دوسری طرف سے گھنٹی بجنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں لیکن کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا۔ اس نے فون کو بند کیا پھر اپنے دفتر کے نمبر ڈائل کرکے ایک ماتحت سے کہا "راج دھرما نے اپنی موت سے پہلے دفتر میں فون کیا تھا۔ تم نے اس کے فون کرنے کا وقت نوٹ کیا ہوگا، اس حساب سے معلوم کرو کہ ٹھیک اس وقت کہاں سے فون کیا گیا تھا۔"

دوسری طرف سے آواز آئی "یس سر! میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

علی سردار نے ریسیور رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد گھنٹی بجنے لگی اس نے پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ اس کے ماتحت نے کہا۔ "سر! شکر پڑیاں کے راستے کے دوسری طرف ایک کوٹھی نمبر ۴۰۲ سے فون کیا گیا تھا۔"

"آل رائٹ۔ یہ کافی ہے۔"

اس نے ماتحتوں کو حکم دیا "ایک بڑی موبائل اپنے ساتھ رکھو جس میں ویڈیو کیمرے، ساؤنڈ ریکارڈنگ مشین اور دوسرے

ضروری آلات ہونے چاہئیں۔ دوسری گاڑی میں مسلح آدمی جوان ہوں گے۔ یہ سب اس طرح چھپے رہیں گے کہ راج دھرما کو شبہ نہ ہونے پائے۔ دیکھا جائے کہ وہ اس کوٹھی میں کیا کر رہا ہے یا کہیں جانے والا ہے۔"

راج دھرما کے خلاف یہ ثبوت کافی نہیں تھا کہ کسی دوسری کوٹھی میں واردات ہوئی ہے۔ وہاں کسی کی لاش کے ٹکڑے پائے گئے ہیں اور اس کوٹھی کے بہت سے حصوں کو تباہ کردیا گیا ہے اور راج دھرما کسی دوسری کوٹھی سے فون کرکے انٹیلی جینس والوں کو دھوکا دے رہا ہے۔ یہ ثبوت کافی نہ ہوتا۔ یہی کہا جاتا کہ جھوٹ بولا جارہا ہے۔ راج دھرما مرچکا ہے اور یہ کہانی گھڑی جارہی ہے کہ فون کسی اور کوٹھی سے کیا گیا ہے اور واردات کسی دوسری کوٹھی میں کی گئی ہے لہٰذا پوری طرح ثابت کرنے کے لیے راج دھرما کو زندہ گرفتار کرکے دنیا والوں کے سامنے پیش کرنا بہت ضروری تھا۔

ساڑھے چار بجے سے کچھ پہلے ایک کار کوٹھی نمبر ۴۰۲ کے سامنے آکر رک گئی۔ تھوڑی دیر میں اس کوٹھی کا دروازہ کھلا پھر راج دھرما ایک اٹیچی اٹھائے اس کے احاطے سے گزرتا ہوا باہر آکر کار میں بیٹھ گیا۔ نیم تاریکی اور نیم روشنی کی وجہ سے اس کا بدلا ہوا چہرہ نظر نہیں آرہا تھا لیکن قد اور جسامت سے پتا چل رہا تھا کہ وہ ہی راج دھرما ہے۔ وہ کار ائرپورٹ کی طرف جارہی تھی۔ علی سردار کی کار اس سے پہلے ائرپورٹ پہنچ گئی' وہ تیزی سے چلتا ہوا امیگریشن کاؤنٹر مین کے پاس آیا۔ اسے اپنا کارڈ دکھا کر کہا "ہمیں ایک مسافر کا انتظار ہے تم اپنا کام کرو۔"

زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ راج دھرما ایک اٹیچی اٹھائے اپنا پاسپورٹ لیے اس کاؤنٹر پر آیا۔ اس نے اپنا پاسپورٹ کاؤنٹر کی طرف بڑھایا تو علی سردار نے اس پاسپورٹ کو اپنے ہاتھ میں لیا پھر اس کی تصویر دیکھنے کے بعد راج دھرما کو دیکھا پھر پوچھا "تمہارا نام اسلام احمد ہے؟"

راج دھرما نے کہا "جی ہاں! آپ پاسپورٹ میں دیکھ رہے ہیں۔ میرا یہی نام لکھا ہوا ہے۔"

"پاسپورٹ میں تو کوئی سا بھی نام لکھا جاسکتا ہے۔ اگر تم اسلام احمد ہو تو پہلا کلمہ اور دوسرا کلمہ سناؤ۔"

وہ ذرا سٹپٹایا پھر تیور بدل کر بولا "مسٹر یہ ائرپورٹ ہے کوئی دینی مدرسہ نہیں ہے۔ کیا آپ تمام مسلمانوں سے کلمے سنتے رہتے ہیں۔"

"نہیں' جس پر شبہ ہوتا ہے صرف اسی سے یہ کہا جاتا ہے۔ آخر کلمہ پڑھنے میں نقصان کیا ہے۔ فائدہ ہی فائدہ ہے سیدھے جنت میں جاؤ گے۔"

پھر علی سردار نے ایک ہاتھ بلند کرتے ہوئے چٹکی بجائی راج دھرما نے پلٹ کر دیکھا تو تین ویڈیو کیمرے والے اسے اپنے تین طرف نظر آئے۔ ان کے ساتھ لائٹ مین بھی تھے۔ راج دھرما نے

پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیوں مجھ پر شبہ کیا جا رہا ہے؟

"تم ہمارے ساتھ دفتر چلو، سب معلوم ہو جائے گا۔"

راج دھریا نے پلٹ کر دور تک دیکھا تو اسے کئی جگہ آرمی کے جوان ہاتھ میں گن لیے نظر آئے۔ وہ خاموشی سے سر جھکا کر انٹیلی جینس ڈپارٹمنٹ کے ایک کمرے میں آیا۔ علی سردار نے کہا "عالمی میڈیا زوالے ایک تباہ شدہ کوٹھی کے اندر تمہاری لاش کے ٹکڑوں کی ویڈیو فلمیں بنا رہے ہیں۔ تمہارا دیس بھی ان سے آگے ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے تمہاری ہلاکت کی خبریں نشر کر رہا ہے اور ہماری حکومت پر الزام عائد کر رہا ہے لہٰذا آرام سے اس کرسی پر بیٹھ جاؤ۔"

وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔ دو آدمی اس کے پاس آکر اس کے چہرے سے میک اَپ کو دھونے لگے۔ علی سردار نے کہا "تم لوگ اس بات پر عقیدہ رکھتے ہو کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ جنم لیتا ہے لہٰذا ہم تمہارے دیس کو اور دنیا کو بتائیں گے کہ تم نے مرتے ہی فوراً کیسے جنم لیا ہے؟"

ویڈیو کیمرے آن تھے اور وہاں ہونے والی کارروائی کی متحرک فلم تیار کر رہے تھے۔ اس کے چہرے سے میک اَپ دھویا جا رہا تھا اور وہیں علی سردار ایک میز پر اٹیچی رکھے اسے کھول کر دوسرا سامان نکال کر ایک فائل نکال رہا تھا پھر اس نے اس فائل کو کیمرے کے سامنے دکھاتے ہوئے کہا "یہ ہے راج دھریا جو تمام عالمی میڈیاز کی خبروں کے خلاف یہاں زندہ موجود ہے اور ہمارا یہ ٹاپ سیکرٹ فائل چرا کر لے جا رہا تھا۔"

کیمروں کے ذریعے اس فائل کا کلوز اَپ دکھایا گیا جس پر لکھا تھا "ٹاپ سیکرٹ۔"

علی سردار بھٹی نے فائل کو ہٹا کر ایک ہاتھ کی مٹھی باندھ کر اپنا انگوٹھا دکھایا جسے اردو زبان میں عام طور پر کہا جاتا ہے "ٹھینگا دکھانا۔" ہلکے پھلکے انداز میں سمجھا جائے تو ٹھینگا دکھانے کا مطلب ہے منہ چڑانا، یا مذاق اڑانا۔ اگر برتری یا کمتری کی بات ہو تو ٹھینگا دکھانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم برتر ہو ہمارے ٹھینگے سے۔ اگر جیتنے والا... ہاتھ بلند کر کے ٹھینگا دکھائے تو وہ دنیا والوں کو بتاتا ہے کہ ایک معمولی سی چیونٹی کو مارنے کے لیے، دو انگلیوں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہم دشمن کو صرف ایک انگوٹھے تلے کچل دیتے ہیں۔

اگر چہرہ چھپانے والے دشمن کے انگوٹھے کا نشان کاغذ پر لیا جائے تو فنگر پرنٹس کے سیکشن والے ثابت کر دیتے ہیں کہ خود کو مردہ ظاہر کرنے والا دشمن زندہ ہے۔

ٹھینگا نفرت ہے محبت بھی ہے۔ ٹھینگے کے بغیر دشمن تیر نہیں چلا سکتا اور ٹھینگے کے بغیر ہم ایک گلاب کسی کو پیش نہیں کر سکتے۔

○☆○

اس ٹاپ سیکرٹ فائل کو بڑی ہی مشکلات سے گزر کر حاصل کیا گیا تھا۔ آرمی انٹیلی جینس کی عمارت میں ایک حصہ ایسا تھا جہاں بہت اہم ریکارڈز رکھے جاتے تھے۔ اس ریکارڈ روم تک پہنچنے سے پہلے دو بڑے آہنی دروازوں سے گزرنا پڑتا تھا اور دونوں دروازوں پر مسلح افسر اور گارڈ ہوا کرتے تھے جو پوری طرح شناخت حاصل کرنے کے بعد اور ضروری کاغذات دیکھنے کے بعد کسی بھی آرمی آفیسر کو اندر جانے کی اجازت دیتے تھے۔

جب تک بحریہ، فضائیہ اور بحری افواج کے اعلیٰ افسران مشترکہ طور پر ایک اجازت نامہ جاری نہیں کرتے تھے اور جب تک تینوں افواج کے اعلیٰ افسران مشترکہ طور پر اس اجازت نامے پر دستخط نہیں کرتے تھے، اس وقت تک اس اجازت نامے کے بغیر فوج کا بڑے سے بڑا اعلیٰ افسر بھی اس ریکارڈ روم کے پہلے آہنی دروازے تک بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ پہلے اور دوسرے گیٹ سے لے کر ریکارڈ روم کے اندر تک خفیہ ٹی وی کیمرے نصب تھے وہاں سے گزر کر ریکارڈ روم کے اندر جا کر وہاں کی الماری سے درازیں کھول کر کسی بھی فائل کو نکالنے والا ٹی وی کیمرے سے دیکھا جا سکتا تھا۔

پچھلے دنوں ایک "ٹاپ سیکرٹ" فائل کی ضرورت پیش آئی تھی۔ اس فائل کو شروع سے آخر تک پڑھ کر اس کی تمام تفصیلات سے آگاہ ہونے کے بعد اس کیس کی نوعیت کو سمجھنا لازمی تھا اس لیے ایک سراغ رساں کو اجازت نامہ دیا گیا تھا تاکہ وہ ریکارڈ روم میں جا کر وہاں سے وہ سیکرٹ فائل لا سکتا ہے۔

اس سراغ رساں کا نام اعظم بیگ تھا۔ وہ اجازت نامہ لے کر اس آرمی انٹیلی جینس کی عمارت کے اس حصے میں پہنچا جہاں پہلا آہنی گیٹ تھا، وہاں کے افسر نے اس کا شناختی کارڈ اور دوسرے .... کاغذات دیکھے پھر اس کے پاس سے ریوالور لے لیا۔ اس کے لباس کی تلاشی لی اور کوئی ہتھیار اس کے پاس نہیں تھا اسے اندر جانے کی اجازت دی گئی۔ آہنی دروازہ کھولا گیا۔ وہ وہاں سے چلتا ہوا ایک کوریڈور سے گزرتا ہوا دوسرے آہنی دروازے پر پہنچا، وہاں کے افسر اور دوسرے آرمی کے جوانوں نے بھی اس کی تلاشی لی۔ اس کے کاغذات دیکھے پھر مطمئن ہو کر دروازہ کھول کر اسے اندر جانے کی اجازت دی۔

ریکارڈ روم کے اندر ایک بڑی سی میز کے پیچھے علی سردار بھٹی بیٹھا ہوا اپنے کام میں مصروف تھا۔ ایک سپاہی قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے سراغ رساں کو دیکھ کر اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے مصافحہ کیا اور پھر کہا "مجھے آپ کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی۔ پلیز مجھے بھی کاغذات دکھائیں۔" اس نے بھی کاغذات دیکھے، اس کا شناختی کارڈ بھی دیکھا پھر اسے چابیوں کا ایک گچھا دے کر کہا "الماری نمبر ۳ میں آپ کو یہ فائل ملے گی۔"

علی سردار کے قریب کھڑا ہوا مسلح جوان اس سراغ رساں اعظم بیگ کے ساتھ چلتا ہوا الماری نمبر ۳ کے پاس پہنچا۔ اعظم بیگ نے ایک چابی سے ایک دراز کو کھولا۔ اسے فائل نمبر ۸ لانے

کے لیے کہا گیا تھا اور اجازت نامے میں بھی یہی لکھا ہوا تھا۔ اعظم بیگ نے دو چار فائلوں کو الٹ کر دیکھا۔ نمبر ۶ اس کے سامنے آگیا اسی وقت اس نے اوپری جیب سے قلم نکال کر جان بوجھ کر قلم کے اوپری حصے کو نیچے گرا دیا۔ اس کے ساتھ آنے والے مسلح جوان نے جھک کر اس کیپ کو اٹھایا۔ اس وقت تک اعظم بیگ نے نمبر ۶ کے اوپری حصے کا آدھا دائرہ مکمل کر لیا۔ اس طرح وہ نمبر ۶ نمبر ۸ بن گیا۔

اس جوان نے فرش پر سے قلم کا کیپ اٹھا کر اعظم بیگ کو دیا اس نے مسکرا کر شکریہ کے انداز میں سہلایا پھر اس قلم کو بند کر کے جیب میں رکھا اور اس فائل کو اٹھا کر اطمینان سے چلتا ہوا علی سردار بھٹی کے پاس آیا۔ اس کے سامنے فائل کو رکھا۔ علی سردار نے اس فائل کے اوپری حصے پر اپنے دستخط کیے۔ تاریخ لکھی پھر اسے فائل لے جانے کی اجازت دے دی۔ اس طرح وہ اس "ٹاپ سیکریٹ" فائل کو لے کر اتنی سخت پہریداری کے باوجود وہاں سے نکل آیا۔

اعظم بیگ چونکہ اسی ادارے کا سراغ رساں تھا لہٰذا جانتا تھا کہ وہاں چھ خفیہ ویڈیو کیمرے نصب ہیں۔ اس نے ایسے انتظامات کیے تھے کہ اس کے وہاں پہنچنے تک ان کیمروں میں خرابی پیدا کر دی گئی تھی۔

جس کمرے میں چھ ٹی وی دیوار سے لگے ہوئے تھے ان کے سامنے چھ افراد بیٹھے اسکرین میں خرابی پیدا ہوتے دیکھ رہے تھے۔ ان سے فون پر ایک شخص کہہ رہا تھا کہ کیمرے ابھی درست ہو جائیں گے۔ پلیز جسٹ اے منٹ۔

وہ چھ افراد انتظار کرتے رہے۔ اس دوران میں اعظم بیگ وہ فائل لے کر وہاں سے نکل گیا۔ اس کے نکلتے ہی کیمرے اپنی جگہ درست کام کرنے لگے۔ ریکارڈ روم کے پہلے آہنی دروازے سے لے کر اس روم کے اندر تک کا منظر واضح طور پر نظر آنے لگا لیکن اس وقت تک اعظم بیگ اپنا کام کر کے جا چکا تھا۔

علی سردار نے اپنے ماتحت کو ایک فائل اور چابیوں کا گچھا دے کر کہا "اس فائل کو الماری نمبر ۵ میں رکھ دو۔"

اس ماتحت نے چابیاں اور فائل لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس کی انگلیوں پر سیاہی کا دھبا دیکھ کر علی سردار نے پوچھا۔ "تمہاری ان انگلیوں میں روشنائی کا نشان کیوں ہے؟"

"سر! اعظم بیگ صاحب کے قلم کا کیپ نیچے گر پڑا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر انہیں دیا تھا۔"

یہ سنتے ہی علی سردار نے چونک کر پوچھا "اس کا کیپ نیچے کیوں گرا تھا؟ کیا اس نے دراز کے پاس قلم کو کھولا تھا؟"

"سر میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ قلم ان کی جیب سے گر پڑا تھا یا انہوں نے کھولا تھا۔"

اس نے فوراً ہی انٹر کام پر کہا "کیسٹ ریوائنڈ کرو اور مجھے ابھی ریکارڈ ہونے والی فلم دکھاؤ۔"

اس کے حکم کے مطابق فلم کو ریوائنڈ کرنے کے بعد چلایا گیا۔ اسکرین پر نظر آیا کہ اعظم بیگ اطمینان سے چلتا ہوا ریکارڈ روم کے پہلے آہنی دروازے پر پہنچا تھا' اس کے بعد ہی منظر ہٹ گیا تھا۔ علی سردار نے انٹر کام کے ذریعے پوچھا "یہ کیا ہو رہا ہے؟ اسکرین پر منظر نظر نہیں آ رہا ہے۔"

دوسری طرف سے کہا گیا "سر تھوڑی دیر کے لیے کیمرے میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی تھی' ہمارا ایک کاریگر اسے درست کر رہا تھا۔"

علی سردار اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسکرین کی طرف دیکھنے لگا جب دوسرا منظر واضح ہوا تو اس وقت تک ریکارڈ روم اس کا کوریڈور' اس کے دو آہنی دروازے سب نظر آ رہے تھے لیکن اب وہاں اعظم بیگ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس نے فون کے ذریعے عمارت کے دوسری بیرونی دروازوں کے چوکیداروں سے کہا "اعظم بیگ کو باہر نہ جانے دو اسے فوراً حراست میں لے کر میرے پاس لاؤ۔"

دوسری طرف سے کہا گیا "سر اعظم بیگ صاحب ابھی ایک کار میں بیٹھ کر گئے ہیں۔"

"اس نے اپنے دوسرے ماتحتوں سے کہا "فوراً اس کار کا پیچھا کرو' میں ابھی آ رہا ہوں۔"

یہ خبر اس ڈپارٹمنٹ کے ہر حصے میں پھیل گئی کہ اعظم بیگ نے کوئی گڑبڑ کی ہے اور یہاں سے فرار ہو رہا ہے۔ اس کا تعاقب کیا جانے لگا۔ آگے جا کر ایک کار نظر آئی۔ اس ڈپارٹمنٹ کے بیرونی دروازے پر کھڑے رہنے والے مسلح پہریدار نے کہا "جناب' یہی وہ گاڑی ہے جس میں اعظم بیگ صاحب گئے تھے۔"

انہوں نے قریب آ کر گاڑی روکی پھر تیزی سے اُتر کر اس کی طرف دوڑتے ہوئے گئے تو اسٹیئرنگ سیٹ پر ایک شخص مردہ نظر آیا' وہ وہی شخص تھا جو انٹیلی جنیس ڈپارٹمنٹ میں مکینک کا کام کرتا تھا اور کیمروں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اس نے ویڈیو کیمروں میں گڑبڑ کی تھی لیکن اب وہ مردہ ہو چکا تھا۔ اس سے پتا چلا کہ اعظم بیگ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں اس نے گاڑی کو رکوا کر پیچھے سے اس کے سر پر گولی ماری اور پھر وہاں سے فرار ہو گیا۔

اس کا تعاقب کرنے والوں سے علی سردار بھٹی نے کہا "پہلے وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ریکارڈ روم سے کون سی فائل لے جائی گئی ہے جب کہ فائل پر واضح طور پر نمبر ۸ لکھا ہوا تھا۔ اس نے الماری کو کھول کر اس کی ایک دراز کو کھولا پھر ان فائلوں کو چیک کیا تو پتا چلا کہ وہاں فائل نمبر ۸ موجود ہے اور اس کے باوجود اعظم بیگ اسی نمبر کی فائل لے گیا تھا۔ یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ قلم کا کیپ کیوں گرایا گیا تھا اور "۶" کو "۸" کس لیے بنایا گیا تھا"

اس نے پلٹ کر اپنی میز کے پاس آ کر فون پر کہا "میں باہر نکل

رہا ہوں۔ گاڑی نکالو اور چھ جوان میرے ساتھ جائیں گے۔"
اس نے ریسیور رکھ دیا اور پھر باہر جانے کے رجسٹر پر دستخط کئے اور جانے کا وقت اور تاریخ لکھی پھر اس آہنی گیٹ سے باہر آگیا۔
جب وہ عمارت کے باہر پہنچا تو وہاں اس کی کار کھڑی ہوئی تھی اور چھ مسلح جوان دوسری گاڑی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ تیزی سے گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا اعظم بیگ کی کوٹھی پر پہنچا۔ اس دوران میں دوسری سراغ رساں پارٹی سے موبائل فون کے ذریعے رابطہ ہوتا رہا۔ اس نے اعظم بیگ کے مکان کے سامنے گاڑی روک کر دروازے کے پاس آکر کال بیل کا بٹن دبایا۔ اندر سے کوئی آواز نہیں آئی' اس نے پھر ایک بار بٹن دبایا۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھلا' ایک نوجوان خوب صورت سی عورت ساڑی پہنے ہوئے تھی اس کے ماتھے پر لگی ہوئی بندیا بتا رہی تھی کہ وہ ایک ہندو عورت ہے۔ اس نے پوچھا "فرمایئے۔"
علی سردار نے اپنا کارڈ دکھایا۔ وہ اسے دیکھ کر بولی "اوہ! آیئے اندر تشریف لایئے۔ بات کیا ہے؟"
علی سردار نے دروازے کو پوری طرح کھول کر اپنے مسلح جوانوں سے کہا "اندر جاؤ اور ہر جگہ کی تلاشی لو۔"
وہ پریشان ہو کر بولی "کیا بات ہے؟ کیا آپ سرچ وارنٹ لے کر آئے ہیں؟"
"میں آج کل عورتوں پر ریسرچ کر رہا ہوں اور ان پر ریسرچ کرنے کے لیے کسی وارنٹ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بائے دا وے تمہارا نام کیا ہے؟"
وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ اسے پریشان ہو کر اور کچھ ناگواری سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے پھر پوچھا۔ "میں نے تم سے تمہارا نام پوچھا ہے۔"
وہ ایک جھٹکے سے بولی "سلمیٰ!"
"سلمیٰ یعنی کہ کلمہ پہلا اور دوسرا سناؤ۔"
وہ ایک دم سے چونک کر اسے دیکھتے ہوئے بولی "یہ کیا بات ہوئی کیا تم کوئی مولوی ہو' یہاں کلمہ پڑھانے آئے ہو؟"
"کلمے سے بڑا سرچ وارنٹ کوئی نہیں ہوتا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا ہے۔ ہاں تو تم سنا رہی ہو۔"
وہ ایک بڑے صوفے کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی' علی سردار نے کہا۔ "تم نے صوفے کے پیچھے جانے کی تکلیف کیوں کی اور تمہارا ایک پیر اٹھا ہوا ہے۔ ساڑی کے نچلے حصے سے شاید کوئی ہتھیار نکالنا چاہتی ہو لیکن پیچھے دیکھ لو۔"
اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا' علی سردار کا ایک ماتحت گن لیے کھڑا تھا.... وہ پلٹ کر بولی "تم بہت بڑے جاسوس بن رہے ہو۔ میری ساڑی کے اندر کچھ نہیں ہے۔ میں پیر اٹھا کر کھجا رہی تھی۔"
"ساڑی نیچے کر لو ورنہ میرے گن مین کو کھجلی شروع ہو جائے گی۔"
اس نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے پھر کہا "ایک لیڈی انسپکٹر کو بھیج دو تلاشی لینی ہے۔"
یہ کہہ کر اس نے ریسیور کو کریڈل پر رکھا اور اسے دیکھتے ہوئے بولا "ہم سراغ رساں ہیں' ہماری یادداشت بہت تیز ہوتی ہے۔ نیو ایئر نائٹ کو میں نے تمہیں کلب میں دیکھا تھا۔ تم بھارتی سفارت خانے میں ایک ٹائپسٹ ہو اور وہاں کے ہیڈ کلرک راج دھربا کی بہن بھی ہو۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"
"نہیں۔ بڑی معلومات رکھتے ہو۔"
"ہم صرف تمہارے دیس کے بارے میں نہیں بلکہ تمام ممالک کے سفارت خانوں کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔"
تمام مسلح جوانوں نے آکر کہا "سر! ہم نے تمام بنگلے کی تلاشی لی ہے۔ اعظم بیگ صاحب نہیں ہیں۔"
علی سردار نے شیلا کو دیکھ کر پوچھا "کہاں ہے وہ؟"
"میں خود اس کا انتظار کر رہی ہوں' وہ مجھے چھوڑ کر گیا ہے اور ابھی تک واپس نہیں آیا۔"
وہ خاموشی سے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا پھر موبائل فون سے بزر کی آواز ابھری۔ اس نے جیب سے فون نکال کر اسے آن کر کے اپنے کان سے لگایا۔ دوسری طرف کی آوازیں سنتے ہوئے ہاں' یس' یس کہتا رہا پھر بولا "اچھا تو اعظم بیگ راج دھربا کے ساتھ ائرپورٹ کی طرف جا رہا ہے۔ ٹھیک ہے اس کا تعاقب جاری رکھو۔ اسے پتا نہ چلے کہ تعاقب کیا جا رہا ہے۔ ائرپورٹ پر بھی اس سے دور رہو گے۔ جب وہ بورڈنگ کارڈ لینے کے لیے جائے گا تب اسے گرفتار کیا جائے گا۔"
وہ خاموش ہو کر دوسری طرف کی باتیں سننے لگا پھر بولا "میں تم سے زیادہ سمجھتا ہوں جو حکم دے رہا ہوں' وہی کرو' ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں ملک سے باہر نہ جائیں' وہ کوشش یہ کریں گے کہ اعظم بیگ کو ملک سے باہر بھگا دیں تاکہ وہ گرفتار نہ ہو سکے۔ راج دھربا کسی دوسرے وقت چلا جائے گا جو کہہ رہا ہوں' وہ کرو اگر راج دھربا نہ جائے تو اسے گرفتار کر کے میرے ٹارچر سیل میں لے آؤ۔ باقی میں سمجھ لوں گا۔ دیٹس آل۔" اس نے موبائل فون کو بند کر کے اپنی جیب میں رکھا پھر مسکرا کر شیلا کو دیکھتے ہوئے کہا "دیکھا کتنی آسانی سے معاملہ نمٹ گیا۔ خواہ مخواہ تمہیں تکلیف دی گئی۔"
وہ بری طرح گھبرائی ہوئی تھی' کہنے لگی "میرے بھائی نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ اس نے کوئی فائل چوری نہیں کی ہے۔ جو کچھ کیا ہے' وہ اعظم بیگ نے کیا ہے۔ میرے بھائی کو الزام نہ دو۔ جانتے ہو ہم سفارت خانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمیں الزام دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔"
"بے شک اعظم بیگ نے فائل کو چرایا ہے لیکن اس چوری

میں تمہارے بھائی کا پورا... ہاتھ ہے۔ وہ اس کی مدد کر رہا ہے اور اسے ایرپورٹ پہنچا رہا ہے۔"

"وہ اس لیے کہ میرے بھائی سے اس کی گہری دوستی ہے اور مجھ سے بھی دوستی ہے۔ میں اس کی یعنی اعظم بیگ کی گرل فرینڈ ہوں اس پر تمہارا قانون کیا اعتراض کرے گا۔"

"آگے نہ بولو' تمہارے سفارت خانے میں بہت سے لوگ ہیں۔ ان میں سے کسی سے اعظم بیگ کی دوستی نہیں ہے۔ صرف تمہاری اور راج دھرما کی دوستی ہے' ایسا کیوں ہے؟"

"کوئی ضروری نہیں ہے کہ سب ہی سے دوستی کی جائے۔ اپنی اپنی پسند ہوتی ہے۔ اعظم بیگ کو میرا بھائی پسند تھا' میرے بھائی کو اعظم بیگ پسند تھا۔"

"اور یہ دوستی اس طرح ہوئی کہ تم نے اسے اپنے حسن و شباب کے جال میں پھنسایا۔"

"تم کوئی بھی الزام دے سکتے ہو مگر اسے ثابت نہیں کر سکتے۔"

"میرے لیے اتنی ہی معلومات کافی ہیں کہ اعظم بیگ کی دوستی راج دھرما اور اس کی بہن شیلا سے تھی اور تمہارے بھارتی عملے کے کسی فرد سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا اور خاص لگاؤ سے میری مراد اسی چوری سے ہے۔ جس کی تحقیقات کی جا رہی ہیں۔"

ایک لیڈی انسپکٹر دو لیڈی کانسٹیبل کے ساتھ آئی۔ علی سردار نے کہا "اسے کمرے میں لے جاؤ۔ اس کی تلاشی لو اس کی ساڑی میں کوئی ہتھیار ضرور ہے۔ ہوشیار رہنا۔"

شیلا اس لیڈی انسپکٹر اور دو لیڈی کانسٹیبل کے ساتھ اندر کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئی تو لیڈی کانسٹیبل کے ہاتھ میں چھوٹے سائز کا پستول تھا۔ اس نے علی سردار کے سامنے میز پر اس پستول کو رکھ دیا۔ اس نے پستول کو اٹھا کر شیلا کو دکھاتے ہوئے کہا "یہ ثبوت کافی ہے کہ تم اور تمہارا بھائی اس فائل کی چوری میں ملوث ہو۔"

شیلا نے کہا "میرے پاس اس پستول کا لائسنس ہے۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے۔"

علی سردار نے پستول میں سے ساری گولیاں نکال کر شیلا کو دیتے ہوئے کہا "اسے تم رکھ سکتی ہو۔"

شیلا نے کہا "میں اپنے سفیر سے فون پر بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیا تم فون پر یہ کہنا چاہتی ہو کہ ہم تمہیں گرفتار کرنے آئے ہیں اور تمہاری فوراً ضمانت کی جائے۔"

"ہاں میرا گرفتار ہونا میرے دیس کی اور میرے سفارت خانے کی توہین ہے۔ تم جو کچھ کہہ رہے ہو' زبانی کہہ رہے ہو۔ میرے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ میں نہیں جانتی کہ میرا بھائی کسی جرم میں ملوث ہے؟ وہ اگر گرفتار ہو گا تب بھی مجھ پر آنچ نہیں آئے گی۔ مجھے تم کسی جرم میں گرفتار نہیں کر سکتے۔"

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں تمہیں گرفتار کرنے آیا ہوں جب میں یہاں آ رہا تھا تو میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ تم... یہاں موجود ہو گی.... میں تو اس گھر میں اپنے دوست اعظم بیگ کو تلاش کرنے آیا ہوں۔"

"آپ اور آپ کے ماتحت اچھی طرح اس بنگلے کی تلاشی لے چکے ہیں۔ وہ یہاں موجود نہیں ہے پھر آپ یہاں کیا چاہتے ہیں؟"

"کچھ نہیں۔ ہم نے تلاشی لی ہماری تسلی ہو گئی۔ تمہارا یہ پستول خالی کر کے تمہیں واپس کیا جا رہا ہے۔ اب ہم جاتے ہیں تم یہاں آرام کرو یا اپنے سفارت خانے جاؤ۔ تمہاری مرضی۔"

"میں پہلے اپنے سفارت خانے میں شکایت کروں گی کہ یہاں میرے ساتھ برا سلوک کیا گیا ہے۔ مجھے مجرم سمجھا گیا ہے۔ میری تلاشی لی گئی ہے۔"

علی سردار نے آرام سے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر کہا۔ "میں تو چاہتا تھا بات آگے نہ بڑھے' یہیں ختم ہو جائے لیکن تم چاہتی ہو تو آؤ ریسیور اٹھاؤ اور اپنے سفارت خانے فون کرو۔"

اس نے فون کے پاس آ کر ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے پھر اپنے ملک کے سفیر سے رابطہ کرتے ہوئے کہا "میں شیلا بول رہی ہوں۔"

"بولو کیا بات ہے؟"

"میں یہاں اعظم بیگ کے بنگلے میں ہوں۔ اچانک انٹیلی جینس والوں نے آ کر تلاشی لینی شروع کر دی ہے' میری بھی تلاشی لی۔ میرے ساتھ بُرا سلوک کیا جیسے میں کوئی مجرم ہوں جب کہ میری نہ کوئی غلطی ثابت ہوئی ہے نہ ہی کوئی جرم۔ یہ ہماری سراسر توہین ہے۔"

جب شیلا نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنا شروع کئے تھے تو علی سردار دوسری طرف جا کر اپنے موبائل کے ذریعے کسی سے رابطہ کر کے کچھ کہہ رہا تھا اور شیلا کی طرف دیکھتا جا رہا تھا۔ ادھر شیلا کی بات کے جواب میں سفیر نے پوچھا "اعظم بیگ کے بنگلے میں پہلے انٹیلی جینس والے آئے تھے یا تم وہاں موجود تھیں۔"

"پہلے میں موجود تھی۔ میں نے ہی ان کے لیے دروازہ کھولا تھا۔"

"یو نان سنس! کیا اتنی عقل نہیں ہے کہ تم ایک مسلمان جاسوس کے بنگلے میں تنہا موجود تھیں اور اس کا کیا جواز پیش کیا جائے گا؟ کیا یہ بھارت ہے' کیا یہاں کی عورت آزادی سے کسی مرد سے ملتی ہو اور لوگ اعتراض کریں تو وہ مرد اس عورت کو کسی مندر میں لے جاتا ہو اور وہاں جا کر اس کی مانگ میں سیندور بھر کر اسے اپنی دھرم پتنی بنا لیتا ہو۔ یہاں ایسا کوئی قانون نہیں ہے۔ تم وہاں اپنی موجودگی کا کیا جواز پیش کرو گی۔ یہ میں تم سے دوسری بار پوچھ رہا ہوں۔"

"سر یہ اسلام آباد پاکستان کی راج دھانی ہے۔ یہاں سب ہائی

سوسائٹی کے لوگ ہیں اور کوئی کسی پر انگلی نہیں اٹھاتا ہے۔"

"لیکن جب پولیس یا انٹیلی جینس والے پہنچ جائیں تو پھر انگلی نہیں اٹھتی، ہتھکڑیاں لگ جاتی ہیں یا ہمارے ملک سے بڑے بڑے پر شکایت کی جاتی ہے اور وہ بھی ایک جاسوس سے تعلقات رکھنے کے باعث بات بہت آگے تک بڑھ سکتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ٹھنڈے دماغ سے کام لو اور وہاں سے چلی آؤ۔"

شیلا نے ریسیور رکھ دیا پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر علی سردار سے بولی "میں جا سکتی ہوں؟"

وہ بولا "جسٹ اے منٹ۔" ابھی تمہارے لیے ایک فون کال آنے والی ہے۔ ذرا اسے سن لو پھر چلی جانا۔"

وہ سوالیہ نظروں سے علی سردار کو دیکھتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی پھر اس نے فون کی طرف دیکھا۔ علی سردار اس کے قریب آکر دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ علی سردار نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا "ہیلو! میں علی سردار بھٹی بول رہا ہوں۔ تیار ہے؟"

دوسری طرف سے کوئی جواب ملا پھر اس نے وہ ریسیور شیلا کو دیتے ہوئے کہا "لو سنو۔"

وہ کان سے لگا کر سننے لگی۔ ریسیور سے وہ ساری باتیں سنائی دے رہی تھیں جو اس نے اپنے سفیر کے ساتھ کی تھیں پھر فون سے آنے والی آوازیں بند ہوئیں۔ وہ ریسیور کریڈل پر رکھ کر سر کو جھکا کر اپنی ساڑی کے آنچل کو موڑنے توڑنے لگی۔ وہ بولا "غصہ اپنی ساڑی پر مت دکھاؤ۔ پہلے تو میں نے یہ ثبوت حاصل کیا ہے کہ تم اعظم بیگ کے بنگلے میں تنہا تھیں اور تم نے ہمارے لیے دروازہ کھولا تھا۔ اس بات کو تمہارے سفیر نے فون کے ذریعے سنا اور تمہیں یہاں سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ سفیر کو تمہاری یہاں موجودگی کا علم ہو گیا ہے۔ وہ اس بات سے انکار نہیں کر سکے گا۔۔ اور تم اس بات سے انکار نہ کر سکو گی کہ راج دھرما سے اعظم بیگ کے خاصے تعلقات تھے اور یہ تعلقات قائم کرنے میں تم نے اپنے حسن و شباب سے بڑا کام لیا ہے۔ بس اب تم جا سکتی ہو۔"

وہ خاموشی سے سر جھکا کر جانے لگی۔ علی سردار نے کہا "ہاں اور سنو وہ جو ایک فون کال آئی تھی کہ اعظم بیگ اور راج دھرما فرار ہونے کے لیے ائرپورٹ جا رہے ہیں تو وہ کوئی فون کال نہیں تھی۔ میرا ڈراما تھا۔ راج دھرما کہاں ہے میں نہیں جانتا، اعظم بیگ کہاں ہے یہ بھی میں نہیں جانتا۔ شاید تم یہاں سے جاؤ تو تمہیں معلوم ہو جائے۔"

اسے چھوڑ دیا گیا۔ وہ اپنے گھر آئی تو معلوم ہوا کہ علی سردار نے واقعی اس سے فراڈ کیا تھا۔ اعظم بیگ انٹیلی جینس والوں کی گرفت میں نہیں آیا تھا۔ کہیں لاپتا ہو گیا تھا اور اس کا بھائی دھرما اس کے ساتھ ائرپورٹ نہیں گیا تھا اور نہ ہی وہ گرفتار ہوا تھا وہ

شام کے ۷ بجے گھر لوٹا تو اس گھر کی نگرانی کرنے والوں سراغ رسانوں نے اسے گھیر لیا پھر کہا "آپ کو ہمارے دفتر چلنا ہو گا۔"

دھرما نے شیلا سے کہا "تم سفارت خانے فون کرو کہ مجھے انٹیلی جینس ڈپارٹمنٹ میں طلب کیا گیا ہے۔"

وہ ان انٹیلی جینس والوں کے ساتھ دفتر میں پہنچا تو وہاں علی سردار بیٹھا ہوا تھا، اس نے کہا "آیئے مسٹر تشریف رکھیے۔ آپ دوپہر ۲ بجے سے اس وقت تک اپنے سفارت خانے کے دفتر میں نہیں تھے۔ ہم ایک کیس کے سلسلے میں تفتیش کر رہے ہیں۔ ضروری نہیں کہ اس کیس کا تعلق آپ سے ہو لیکن آپ ایک ذمّے دار ملک کے سفارت خانے سے تعلق رکھتے ہیں تو آپ سے امید کی جاتی ہے کہ پوری ذمّے داری سے جواب دیں گے۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر بولا "بے شک، میں پوری ذمّے داری کا ثبوت دوں گا۔ آپ درست فرما رہے ہیں، میں دو بجے کے بعد اپنے دفتر میں نہیں تھا۔ کوئی خاص کام نہ ہونے کی وجہ سے میں نے سوچا آج کل ایک بہترین فلم چل رہی ہے لہٰذا انجوائے کیا جائے، میں اپنی کار میں بیٹھ کر اس سنیما میں گیا تھا۔"

پھر وہ اپنی جیبیں ٹٹولتا ہوا بولا "میری عادت ہے میں فضول چیزیں بھی نہیں پھینکتا، یوں ہی رکھ لیتا ہوں۔"

پھر اس نے ایک جیب سے سنیما کے ٹکٹ کا آدھا حصہ دکھاتے ہوئے کہا "میں ایوننگ شو دیکھنے کے لیے اس سنیما میں گیا تھا۔ وہاں اپنی کار پارک کی تھی۔ اس پارکنگ ایریا کے جو چوکیدار ہیں۔ انہوں نے اگر نمبر نوٹ کیا ہو تو میری کار کا نمبر بھی ان کے رجسٹر میں ضرور ہو گا۔ آپ اپنی تسلی کر لیں۔"

علی سردار نے کہا "میری تسلی کے لیے یہ ٹکٹ کا ٹکڑا اور آپ کی زبان کافی ہے۔ بائی دا وے آپ کی سسٹر کا نام شیلا ہے۔ ہم اعظم بیگ کے بنگلے میں گئے تو وہ وہاں موجود تھیں لیکن اعظم بیگ نہیں تھا۔ کیا آپ اس پر روشنی ڈال سکتے ہیں کہ آپ کی بہن اس کے گھر میں کیوں تھی جب کہ گھر والا ہی نہیں تھا۔"

"شاید اعظم بیگ کہیں گیا ہو یا میری بہن کو چند گھنٹے انتظار کرنے کو کہا ہو۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ بات بھی میرے لیے نئی ہے کہ میری سسٹر اعظم بیگ کے گھر جاتی ہے اور اس سے دوستی کر لی ہے۔"

"آپ نے ہیر رانجھا کا قصہ پڑھا ہو گا یا سنا ہو گا۔ کیدو جانتا تھا کہ ہیر اور رانجھا کے تعلقات ہیں لیکن ان کے گھر والے نہیں جانتے تھے۔ بالکل اسی طرح آپ اپنی بہن کے بھائی ہو کر ان کے تعلقات کو نہیں جانتے لیکن آپ کے سفیر صاحب جانتے ہیں۔"

دھرما نے مسکرا کر پوچھا "کیا ہیر رانجھا کے کیدو نے یہاں آکر ہمارے سفیر صاحب کو ایسے کسی تعلق کے بارے میں بتا دیا ہے۔"

"ہاں! اس نے جو کچھ بتایا ہے وہ آپ سن لیں۔"

اس نے ایک ٹیپ ریکارڈر منگوایا پھر اسے آن کیا۔ کیسٹ

سے وہ آوازیں سنائی دینے لگیں جو شیلا اور سفیر سے ٹیلی فون پر ہو چکی تھیں۔ کیسٹ کے خاموش ہونے کے بعد علی سردار نے بٹن دبا کر آف کر دیا۔ دھرما نے کہا "ہمارے سفیر صاحب اپنے اسٹاف کو صحیح راستے پر چلانے کے لیے کبھی غصہ بھی کرتے ہیں اور کبھی محبت سے مشورے بھی دیتے ہیں۔ اس ٹیپ ریکارڈر کی گفتگو سے صاف ظاہر ہے کہ وہ شیلا کو سمجھا رہے تھے کہ یہاں کے کسی جاسوس وغیرہ سے دوستی نہیں کرنی چاہیے۔ اگر وہ کسی کے گھر گئی ہے تو اسے واپس چلے جانا چاہیے۔"

علی سردار نے کہا "اور سفیر صاحب نے اس سے یہ بھی پوچھا ہے کہ اعظم بیگ کے مکان میں پہلے وہ آئی تھی یا ہم آئے تھے اور شیلا نے صاف طور پر کہا ہے کہ وہ پہلے سے موجود تھی اور اس نے ہمارے لیے دروازہ کھولا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اور پیچھے کی جو باتیں پوچھی گئی ہیں تو اس کے آگے پیچھے بھی بہت کچھ ہوتا رہا ہے۔"

"دیکھیے ہمارے سفیر صاحب نے شیلا کو اچھی بات سمجھائی ہے کہ کسی جاسوس وغیرہ سے تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔ اب آپ ان کی اس بات کا رخ کسی طرف بھی موڑ سکتے ہیں۔ اسے ایک سنجیدہ اور بہت بڑا کیس بھی بنا سکتے ہیں لیکن کوئی ایسا ٹھوس ثبوت پیش نہیں کر سکتے کہ میری بہن کے وہاں جانے سے ہم نے یہاں آکر آپ کے ملک کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا ہے۔"

"آپ لوگوں نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے اور نہ ہی ہم الزام دے رہے ہیں۔ ہم تو اپنے ڈپارٹمنٹ کے ایک جاسوس اعظم بیگ کو تلاش کر رہے ہیں۔ وہ کہیں گم ہو گیا ہے اور اس کا پتا ٹھکانا معلوم نہیں ہو رہا ہے۔ اسی سلسلے میں ہم اعظم بیگ کے گھر گئے تھے تو آپ کی بہن سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اس کے بعد اور کوئی بات نہیں ہے، آپ جا سکتے ہیں۔"

وہ علی سردار سے مصافحہ کر کے چلا گیا۔ دوسرے دن اونچے پیمانے پر سفیر نے شکایت کی کہ ان کے عملے کے افراد کو انٹیلی جنس والے خواہ مخواہ پریشان کر رہے ہیں۔ اس کی جواب طلبی علی سردار سے کی گئی تو علی سردار نے کہا "ہماری معلومات کے مطابق شیلا سفارت خانے میں ایک ٹائپسٹ ہے۔ ایک ٹائپسٹ کے پاس پستول کا رہنا کیوں لازمی ہے۔ اسے کیسے لائسنس دیا گیا؟"

یہ بات سفیر سے پوچھی گئی۔ اس نے کہا "دراصل وہ پستول میرا ہے۔ آپ کے اس جاسوس علی سردار نے اس لائسنس کو نہیں پڑھا ہے ورنہ اسے میرا نام نظر آجاتا۔ اب آپ یہ پوچھیں گے کہ میرا پستول میری ٹائپسٹ کے پاس کیسے چلا گیا۔ تو یہ محض ایک اتفاق ہے۔ میں اسے دفتر میں بھول گیا تھا۔ وہ اسے اٹھا کر لے گئی تھی لیکن آپ کو ایسی کوئی شکایت نہیں ہوگی کہ اس پستول سے کہیں کوئی واردات کی گئی ہے۔"

بھارتی سفیر کی ہر بات میں وزن تھا، وہ ہر سوال کا جواب ٹھوس انداز میں دے رہا تھا۔ اگرچہ اس میں جھوٹ کی آمیزش تھی لیکن اس جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے کوئی گواہ تھا نہ کوئی ثبوت تھا۔ بھارتی حکومت، اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی وژن کے ذریعے شور مچا رہی تھی کہ حکومتِ پاکستان ان کے سفارت خانے پر خواہ مخواہ الزام عائد کر رہی ہے۔ انہوں نے راج دھرما کو خواہ مخواہ حراست میں لیا تھا اور اس سے بہت بُرا سلوک کیا تھا جو ناقابلِ برداشت ہے۔"

ادھر "را" سے تعلق رکھنے والے راج دھرما، شیلا اور دوسرے سراغ رسانوں کو پریشانی تھی کہ جو "ٹاپ سیکریٹ" فائل چوری ہوئی ہے۔ اسے کس طرح ملک سے باہر لے جایا جائے۔ انہوں نے اعظم بیگ سے وعدے کے مطابق فائل لے کر اسے پاکستان سے باہر بھیج دیا تھا۔ اب اس فائل کو بھارت پہنچانا تھا۔

آخر کار یہ منصوبہ بنایا گیا کہ ایسا ڈراما کیا جائے کہ راج دھرما کی کوٹھی پر گولیاں برسائی جائیں۔ بم دھماکا کیا جائے اور ایک شخص کو ہلاک کر کے اس کی لاش کے ٹکڑے کر کے وہاں پھینک دیے جائیں۔ اس طرح یہ ثابت کیا جائے کہ حکومتِ پاکستان نے بھارتی سفارت خانے کے ایک اہم فرد راج دھرما کو بری طرح ہلاک کر دیا ہے۔

جب کہ راج دھرما دوسرے بنگلے میں زندہ رہے گا اور وہاں سے بھیس بدل کر وہ فائل لے کر اس ملک سے باہر چلا جائے گا۔ ان کی پلاننگ بڑی ٹھوس اور مکمل تھی، اس کے باوجود علی سردار بھٹی نے انہیں عین وقت پر ائرپورٹ پر گرفتار کر لیا تھا اور ان کے جرم کے تمام ثبوت ویڈیو کیمرے اور ساؤنڈ ریکارڈنگ مشین وغیرہ کے ذریعے محفوظ کر لیے گئے تھے۔ یہ ایسے ٹھوس ثبوت تھے کہ اس کے بعد پاکستان کے خلاف شور مچانے والے خاموش ہو گئے تھے۔

○☆○

سارہ فردوسی ایک اچھی خاصی سمجھ دار لڑکی تھی لیکن سمجھ دار لڑکیاں بھی بعض اوقات حماقتیں کرتی ہیں۔ اس کی حماقت یہ تھی کہ وہ ڈراؤنی فلمیں بہت زیادہ دیکھتی تھی۔ انگریزی ہارر فلمیں، ڈریکولا اور جن بھوت کے مناظر کی بہت ہی ڈراؤنی ابھرتی ہوئی بیک گراؤنڈ میوزک کی فلمیں ہوں تو وہ ضرور سنیما میں دیکھنے جاتی تھی۔ وہاں سے بھی دل نہ بھرتا تو ہارر یعنی ڈراؤنی قسم کے ناول خرید کر پڑھتی تھی پھر ڈش انٹینا کے ذریعے زی ٹی وی اور سونی وغیرہ سے ڈراؤنی فلمیں دیکھنے کا بہت شوق تھا اور انہیں دیکھنے کے بعد وہ سوچنے لگی تھی کہ یقیناً مرنے کے بعد انسان دوسرا جنم لیتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے جنم نہ لے سکے تو اس کی آتما اس دنیا میں بھٹکتی رہتی ہے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لیتی رہتی ہے۔

اس کے ابو کا نام سعید احمد فردوسی تھا اور اس کے بڑے ابو کا نام رئیس احمد تھا۔ رئیس احمد پکا بزنس مین تھا۔ اسے نہ فلموں سے دلچسپی تھی، نہ کتابوں سے اس کے برعکس چھوٹے بھائی سعید

احمد کو شعروشاعری سے لگاؤ تھا اسی لیے اس نے اپنے نام کے ساتھ "فردوسی" تخلص رکھا تھا۔ اسی حوالے سے سارہ خود کو سارہ فردوسی کہتی تھی۔ وہ دونوں بھائی انتہائی دولت مند لیکن ان کے ہاں اولاد صرف ایک ہی سارہ فردوسی تھی۔

وہ دونوں بھائی سارہ کو دل وجان سے چاہتے تھے اور اکثر سمجھایا کرتے تھے کہ ایسی فضول کتابیں کیوں پڑھتی ہو۔ کیوں ایسی فلمیں اور ڈرامے دیکھا کرتی ہو جس سے تمہارا دماغ خراب ہوتا ہے۔ تمہارا عقیدہ بدلتا ہے۔ کیا کبھی ہمارے دین میں ایسی بات کہی گئی ہے کہ انسان مرنے کے بعد دوسری بار زندہ ہوتا ہے۔ دوسرا جنم لے کر پھر آتا ہے۔ یہ تو ہندوؤں کا عقیدہ ہے۔ جسے "آواگون" کہتے ہیں۔

وہ صوفے کے پیچھے سے آکر اپنے بڑے ابو کی گردن میں ہاتھ ڈال کر بولی "بڑے ابو آپ کو تو کاروبار کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ ہمیشہ دولت کمانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ کبھی میرے ساتھ چل کر ایک ہارر فلم دیکھ لیں یا میں ایک ویڈیو فلم منگاتی ہوں۔ آپ دیکھیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔"

"بیٹا کہانیاں صرف کہانیاں ہوتی ہیں۔ فلمیں صرف فلمیں ہوتی ہیں۔"

وہ بولی "ایسی بات نہیں ہے کیا اکثر ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ ہم کسی جگہ کھڑے ہیں اور کسی نے آکر ہمیں مخاطب کیا ہو تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے پہلے بھی کبھی ایسا ہو چکا ہے یا کبھی کسی راستے سے گزرتے ہوئے خیال آتا ہے شاید ہم اس راستے پر پہلے بھی کبھی آئے ہوں۔"

باپ نے کہا "ہاں بیٹی ایسا ہوتا ہے۔ شاید ہم کبھی ادھر سے گزرے ہوں اور ہماری یادداشت سے وہ راستہ گم ہوگیا ہو اور اس لیے ہمیں ایسا لگتا ہے۔"

"نہیں ابو ایسی بات نہیں ہے۔ آپ پچھلے جنم میں اس راستے سے گزرے تھے اس لیے وہ راستہ آپ کو یاد آتے آتے رہ جاتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی امی کو دیکھا ہے۔"

"یہ اپنی امی کا ذکر کیوں لے بیٹھیں۔ ان کا انتقال تو دس برس پہلے ہوچکا ہے۔"

"میں اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ آپ نے انہیں دیکھا ہے یا نہیں؟"

"کبھی کبھی تصورات میں دیکھا ہے۔ خیالوں میں کبھی چہرہ جھلک جاتا ہے۔"

"یہ بات نہیں آپ نے سر سے پیر تک اپنے سامنے انہیں دیکھا ہے؟"

"کیا تم پاگل ہوگئی ہو؟"

"آپ دونوں مجھے پاگل ہی کہیں گے۔ میں نے کئی بار امی کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا ہے۔"

"خواب میں دیکھا ہوگا۔"

"بالکل نہیں، میں نے انہیں اپنی کھلی آنکھوں سے کبھی بالکونی میں اور کبھی دروازے کے پاس دیکھا ہے پھر میں آنکھیں بند کرتی ہوں تو کانوں میں ان کی آواز سنائی دیتی ہے۔"

"سوجاؤ! بیٹی سوجاؤ، میں آرام سے ہوں، تم بھی آرام سے رہو۔"

"بیٹے یہ ذہنی قلابازیاں ہیں۔ تم جتنی فلمیں دیکھتی رہو گی، اتنا ہی تمہارا ذہن قلابازیاں کھاتا رہے گا۔ جب تمہاری امی تمہیں نظر آتی ہیں۔۔۔ تو پھر ہم سب کو بھی نظر آنا چاہئیں۔ ایسا تو ہمارے ساتھ نہیں ہوتا۔"

"آپ کے ساتھ کیسے ہوگا۔ آپ تو ہمیشہ امی سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ وہ شاید آپ سے ناراض ہوں گی اسی لیے آپ کے سامنے نہیں آتی ہیں۔"

سعید احمد فردوسی نے کہا "بھائی جان اس لڑکی کا دماغ ٹھیک رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی شادی کردی جائے۔"

وہ بولی "نہیں میں شادی نہیں کروں گی جب تک میرا آئیڈیل مجھے نہیں ملے گا۔ میں شادی نہیں کروں گی۔"

"تو پھر پریکٹیکل لائف گزارو دیکھو کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ سائنس کتنی ترقی کررہی ہے۔ انسان کہاں سے کہاں پہنچ رہا ہے۔ ...گھر میں رہنے سے بہتر ہے کہ تم اپنے بڑے ابو کے ساتھ دفتر جایا کرو اور دیکھا کرو کہ کاروبار کتنی ذہانت سے اور کتنی زبردست منصوبہ بندی سے کیا جاتا ہے۔ یہ ساری دنیاوی باتیں جب تمہاری آنکھوں کے سامنے آئیں گی تو تم ان خوفناک فلموں کو بھول جاؤ گی۔"

جس طرح باپ کو بزنس سے زیادہ شاعری سے لگاؤ تھا اسی طرح بیٹی کو ان خوفناک فلموں، کتابوں اور ڈراموں سے دلچسپی تھی۔

ایک دن وہ اپنی ایک سہیلی کو سی آف کرنے کے لیے ائرپورٹ آئی۔ وہاں وزیٹرز لابی میں ایک سادھو بابا بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے اطراف کچھ بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ سارہ چلتے چلتے رک گئی۔ اسے ایک ڈرامے کا منظر یاد آیا۔ اس ڈرامے کی ہیروئن نے ایک سادھو بابا کو اپنا ہاتھ دکھایا تھا اور انہوں نے ہاتھ دیکھ کر جو پیش گوئی کی تھی۔ اس کے مطابق وہ ڈراما سسپنس سے بھرپور ہوگیا تھا اور وہی کچھ پیش آیا تھا جو سادھو بابا کہہ گئے تھے اور جو انہوں نے کہا تھا، وہ انہونی سی بات تھی جو ہوگئی تھی۔

اس کی سہیلی نے پوچھا "سارہ یہاں کیوں رک گئی ہو؟"

وہ بولی "اب تم اندر جاکر بورڈنگ کارڈ حاصل کرو گی مجھے تو اندر جانے کی اجازت نہیں ملے گی تم جاؤ۔ میں ذرا ان سادھو بابا سے ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔"

اس کی سہیلی نے کہا "اچھا تو پھر تمہیں کوئی ہارر فلم یاد آگئی۔"

ہے۔ جاؤ تمہارا تو خدا ہی حافظ ہے۔"
سہیلی اس سے رخصت ہو کر چلی گئی۔ وہ سیدھی سادھو بابا کے قریب آئی' وہاں ایک شخص سے پوچھا "یہ کون ہے؟"
اس شخص نے جواب دیا "یہ مہا انتر گیانی ہیں۔ اندر کی باتیں بتا دیتے ہیں صرف ہاتھ کی لکیریں دیکھتے ہیں۔"
اس نے پوچھا "کیا یہ یہاں رہنے آئے ہیں؟"
اس شخص نے کہا "نہیں یہ ممبئی سے یورپ کے ایک ملک ....جا رہے تھے۔ راستے میں کوئی ٹیکنیکل خرابی جہاز میں پیدا ہو گئی تو یہ اسلام آباد ائرپورٹ پر اتر گئے۔ چند گھنٹے بعد دوسرے جہاز میں آگے جائیں گے۔"
وہ تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے سادھو بابا کے قریب آئی' کئی لوگ اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھائے ہوئے تھے۔ سارہ نے بھی اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا تو ایک خوب صورت سا ہاتھ دیکھ کر سادھو بابا چونک گئے۔ انہوں نے سر اٹھا کر سارہ کو دیکھا پھر دوسروں سے کہا "ذرا دور ہٹو پہلے ایک کنیا سے باتیں کرنے دو۔"
وہ سب ذرا پرے ہٹ گئے۔ سادھو بابا نے سارہ کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر لکیروں کو دیکھا پھر اس کی پیشانی پر ایک انگلی رکھ کر کہا "بیٹی تم بڑی بھاگوان ہو۔ بہت خوش نصیب ہو جو چاہو گی' وہ ملے گا۔"
پھر انہوں نے اس کی پیشانی پر سے انگلی ہٹا کر کہا "لیکن۔"
ان کا لفظ لیکن سن کر.. پریشان ہوئی' وہ بولی "باباجی! لیکن کیا آپ کچھ آگے بولیں۔"
"تمہارے ہاتھ کی لکیریں کچھ الجھی ہوئی سی ہیں۔ تمہیں جو خوشی ملے گی' اس میں پہلے رکاوٹ پیدا ہو گی۔"
وہ دل میں ذرا خوش ہوئی کیونکہ ایسا خوفناک کہانیوں میں ہوتا تھا کہ دو محبت کرنے والے دلوں کے درمیان رکاوٹ پیدا ہوتی تھی پھر سادھو بابا نے کہا "وہ رکاوٹ دور ہو جائے گی لیکن اس سے بھی بڑا ایک صدمہ پیش آئے گا۔"
اس نے پوچھا "کیسا صدمہ؟"
"جسے تم پیار کرو گی' وہ مر جائے گا۔"
سارہ فردوسی کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ بالکل وہی خوفناک کہانیوں کے مناظر مختلف انداز میں بدل کر اس سادھو بابا کی زبان سے نکل رہے تھے۔ اس نے بڑی بے چینی سے پوچھا "باباجی! ذرا پھر سے میری لکیریں دیکھیں وہ جو مر جائے گا' وہ پھر دوسرا جنم لے کر میرے پاس آئے گا۔"
سادھو بابا نے اسے حیرانی سے دیکھا پھر پوچھا "کیا تم ہندو ہو؟"
اس نے کہا "نہیں میں مسلمان ہوں۔"
"پھر تم کیسے یقین کرتی ہو کہ مرنے والا پھر اس دنیا میں دوسری بار جنم لے کر آتا ہے؟"
"باباجی' اب میں کیا بتاؤں' بس آپ میری بات کا جواب دیں۔"
"تم نے ابھی درست کہا ہے وہ جو مرچکا ہو گا' دوسرا جنم لے کر آئے گا مگر شاید تم یقین نہ کرو۔"
"نہیں میں یقین کروں گی' اگر وہ مر جائے گا تو میں اس کے دوبارہ جنم لینے کے انتظار میں زندہ رہوں گی۔"
"پھر تو تم خوش نصیب کہلاؤ گی کیونکہ وہ دوسرا جنم لینے والا تمہیں تمام مشکلات سے نکال کر اپنی زندگی میں لے جائے گا۔"
وہ سادھو بابا کے پاس بیٹھ کر بولی "باباجی' آپ میرا ہاتھ دیکھ کر کیا یہ بتا سکتے ہیں کہ میری زندگی میں کون آنے والا ہے' وہ کیسا ہو گا۔ کیا بہت ہینڈسم اور اسمارٹ ہو گا۔"
"یہ کہنا تو مشکل ہے مگر میرے اندر کا گیان کہتا ہے کہ وہ اچھی شکل صورت والا ہو گا لیکن تم سے عمر میں خاصا بڑا ہو گا۔ اگر تم بیس برس کی ہو تو وہ تیس برس کا ہو گا۔"
"کوئی بات نہیں' عمر سے کیا ہوتا ہے۔ کیا وہ میرے بڑے ابو کی طرح بزنس مین ہو گا یا میرے ابو کی طرح شاعر ہو گا۔"
"نہ وہ شاعر ہو گا' نہ وہ بزنس مین ہو گا۔"
"پھر کیا ہو گا؟"
"وہ ایک کھوجی ہو گا۔"
"اس کا کیا مطلب ہوا؟ کھوجی کے معنی تو یہ ہوتے ہیں کہ کھوج لگاتے رہنا' کسی چیز کو تلاش کرتے رہنا۔"
"ہاں' وہ کوئی ایسا ہی شخص ہو گا۔"
اناؤنس منٹ ہونے لگی کہ ممبئی سے جو مسافر یورپ کی طرف جا رہے تھے' ان کے لیے دوسرا طیارہ مہیا کیا گیا ہے۔ لہٰذا وہ سفر جاری رکھنے کے لیے طیارے میں چلے آئیں۔
سادھو بابا نے اٹھتے ہوئے کہا "بیٹی' اب میری روانگی کا وقت ہو چکا ہے اور میرا خیال ہے کہ میں نے تمہاری توقع سے زیادہ بہت کچھ بتا دیا ہے۔ بھگوان تمہیں سکھی رکھے۔"
یہ کہہ کر سادھو بابا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا' پھر وہاں سے چلا گیا۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگی لیکن اس کی نظروں کے سامنے وہ ذرا دھندلایا ہوا تھا کیونکہ اس کے تصور میں ایک بہت ہی بھیانک رات تھی۔ تیز آندھیاں چل رہی تھیں۔ درخت کی شاخیں پتوں سمیت اِدھر سے اُدھر جھوم رہی تھیں۔ جیسے درخت گرنے والے ہوں اور اس پس منظر میں اسے وہ جوان نظر آیا۔ جو مرنے کے بعد دوسرا جنم لے کر اس کی طرف آ رہا تھا۔
وہ ائرپورٹ کی عمارت سے باہر آئی' اپنی کار میں بیٹھ کر اسے ڈرائیو کرتے ہوئے اپنے آئیڈیل کے بارے میں سوچنے لگی۔ وہ عجیب لڑکی تھی اسے احمق بھی کہا جا سکتا تھا... کیونکہ لڑکیاں اپنے آئیڈیل کے بارے میں سوچتی ہیں تو ان کی لمبی عمر کے بارے میں بھی سوچتی ہیں لیکن سارہ فردوسی اپنے آئیڈیل کے بارے میں سوچتے وقت یہ ضرور ذہن میں بات رکھتی تھی کہ وہ اس سے ملنے کے بعد

مرنے والا ہے اور پھر دوسرا جنم لے کر آنے والا ہے۔

جوتش ودیا جاننے والے سادھو بابا کی باتوں نے اس کے اندر کے جنون کو اور ہوا دی تھی اب اس کا عقیدہ مستحکم ہوگیا تھا کہ آدمی مرنے کے بعد اسی دنیا میں پھر دوبارہ جنم لیتا ہے اور اسے ایک ایسا ہی جیون ساتھی ملنے والا ہے۔ وہ اس دن سے اس جیون ساتھی کو تلاش کرنے لگی۔ ہر آنے جانے والے کو' ہر خوب رو کو' جوان سے زیادہ کچھ عمر رسیدہ شخص کو دیکھنے لگی کیونکہ سادھو بابا نے کہا تھا وہ اس سے عمر میں کم از کم دس برس بڑا ہوگا۔

اس کے بڑے ابو کروڑ پتی تھے اس لیے بے شمار رشتے اس کے لیے آیا کرتے تھے اور وہ دونوں بھائی اپنی بیٹی کو سمجھاتے تھے کہ بھئی تصویر دیکھو کسی کو پسند کرو۔ اچھے خاندان کے رشتے بھی آرہے ہیں۔ کہیں تو تمہیں شادی کرنی ہوگی۔

وہ سطحی نظروں سے تصویریں دیکھتی تھی پھر ایک طرف پھینک کر کہتی تھی "یہ سب تو بالکل ہی جوان ہیں۔"

"ارے تم کیسی باتیں کررہی ہو تم کیا بوڑھی ہوگئی ہو۔ ابھی اٹھارہ برس کی ہو۔"

"میں اٹھارہ برس کی ہوں لیکن ایسے شخص سے شادی کروں گی جو مجھ سے دس برس بڑا ہوگا۔"

دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو حیرانی اور پریشانی سے دیکھا پھر کہا "تم پھر کوئی الٹی سیدھی بات کرنے والی ہو' یہ کیا ضروری ہے کہ جس سے تم شادی کرو وہ دس برس بڑا ہو۔"

"مجھے ایک بہت بڑے جوتشی نے کہا ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" اس کے بڑے ابو نے کہا۔

پھر اس کے ابو نے کہا "اس جوتشی نے یہ بھی کہا ہوگا کہ تم سے جو دس برس بڑا ہوگا وہ شادی کے بعد مرجائے گا اور پھر دوسرا جنم لے گا۔"

"ہاں' ابو بالکل یہی بات ہے۔ آپ ابھی یقین نہیں کریں گے لیکن میں اسے ثابت کرکے رہوں گی۔"

دونوں بھائیوں نے تنہائی میں مشورہ کیا پھر اسے ایک دن بہت ہی تجربہ کار ماہر نفسیات کے پاس لے گئے۔ وہاں وہ ایک گھنٹے تک ماہر نفسیات کے دفتری کمرے میں رہی' دونوں بھائی باہر انتظار کرتے رہے۔ اس کے بعد ماہر نفسیات نے کہا "بھئی' یہ لڑکی دس برس کی عمر سے جن' پریوں کی کتابیں پڑھتے پڑھتے خوف ناک قسم کی فلمیں دیکھنے لگی پھر ڈش انٹینا آیا تو اور زیادہ اس کے ذہن میں یہ باتیں سماتی گئیں کہ انسان ضرور مرنے کے بعد دوسرا جنم لیتا ہے۔ یا پھر اس کی آتما بھٹکتی رہتی ہے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لیتی ہے۔ اس کے دماغ سے یہ باتیں نکالنے میں خاصا وقت لگے گا۔ فی الحال اس کا علاج ایک ہی ہے کہ جلد سے جلد اس کی شادی کردی جائے۔"

دونوں بھائیوں نے گھر آکر سارہ سے کہا "ہمارے لاڈ پیار نے تمہیں بہت بگاڑ دیا ہے۔ ہر بات میں اپنی من مانی کرتی ہو اب تو تمہیں ہماری پسند کے مطابق شادی کرنی پڑے گی۔"

"اگر آپ زبردستی کریں گے تو میں فاقے کرنا شروع کردوں گی۔ بھوکی رہتے رہتے مرجاؤں گی۔"

"بس تم یہی دھمکیاں دیتی ہو اور تعجب ہے کہ کیسے تین تین وقت اور چار چار وقت بھوکی رہ جاتی ہو۔ ہمیں تو ڈر لگتا ہے۔"

بڑے ابو نے کہا "خدا کے لیے مان جاؤ بیٹی' ہم تمہاری بھلائی چاہتے ہیں۔ رشتہ بہت اچھا ہے۔ تمہاری خالہ کا بڑا بیٹا ہے۔ تم جانتی ہو۔"

"ہاں' جانتی ہوں لیکن وہ تو مجھ سے صرف تین برس بڑا ہے۔"

"ارے! تم یہ عمر کا حساب لے کر کیوں بیٹھ جاتی ہو؟"

"بڑے ابو میں آپ کی اور ابو کی ہر بات مان لوں گی' جہاں کہیں گے شادی کرلوں گی لیکن میری صرف ایک شرط پوری کردیں؟"

ان دونوں نے خوش ہوکر اسے دیکھا پھر بڑے ابو نے پوچھا۔ "بولو ہم تمہاری ہر شرط پوری کریں گے۔"

"آپ میری شادی ضرور کریں لیکن جس سے بھی کریں وہ مجھ سے دس برس بڑا ہونا چاہیے۔"

اس کے ابو نے کہا "کیا مشکل ہے لڑکیوں کے لیے ایک اچھا لڑکا تلاش کرنے کے لیے اس کا خاندان دیکھا جاتا ہے' اس کی تعلیم و تربیت اس کی ہنرمندی دیکھی جاتی ہے۔ اب تم ایسی شرط پیش کررہی ہو کہ شادی کرنے کے لیے ہمیں کسی بھی لڑکے کا پیدائشی سرٹیفکیٹ دیکھنا پڑے گا کہ اس کی عمر کیا ہے' وہ تم سے دس برس بڑا ہے یا نہیں ہے۔ نہیں ہے تو اس کی ایسی کی تیسی۔"

بڑے بھائی نے کہا "اب اس سرپھری لڑکی سے بحث نہ کرو اس نے کوئی بہت بڑی شرط پیش نہیں کی ہے۔ اس سے دس برس بڑا لڑکا مل جائے گا۔ ہم ڈھونڈ لیں گے۔"

سارہ نے کہا "لیکن آپ اخبار میں "ضرورتِ رشتہ" کا اشتہار نہیں دیں گے کیونکہ یہ اشتہار پڑھنے کے بعد بہت سے لوگ جعلی پیدائشی سرٹیفکیٹ لے کر پہنچ جائیں گے۔"

"میں بزنس مین ہوں کھرے اور کھوٹے کی پہچان رکھتا ہوں۔ کوئی بھی مجھے دھوکا نہیں دے سکے گا۔ میں بالکل مستند لڑکا تلاش کروں گا جو واقعی تم سے دس برس بڑا ہوگا۔"

ایک ملازم نے آکر کہا "جناب بھٹی صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔"

"کون بھٹی؟"

"وہی جو بہت بڑے جاسوس ہیں' ان کا نام علی سردار بھٹی ہے۔"

"ارے! اسے اندر بلاؤ باہر کیوں روک رکھا ہے۔"

ملازم باہر چلا گیا۔ اس کے بعد علی سردار ڈرائنگ روم میں آیا۔ اس نے دونوں بھائیوں کے سامنے آکر جھک کر سلام کیا پھر بڑے بھائی کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر کہا "دیکھیے' آپ کی مہربانی سے میں کیسے کارنامے انجام دے رہا ہوں۔"

"تم نے پھر وہی مہربانی والی بات کہی۔ چلو خاموشی سے صوفے پر بیٹھ جاؤ۔ تم میرے دوست کے بیٹے ہو۔ میں نے تمہارے لیے جو کچھ بھی کیا۔ وہ تمہیں اپنا بیٹا سمجھ کر کیا' اس میں مہربانی کی کیا بات ہے۔"

"دیکھیے آپ نے اتنی تعلیم دلائی۔ مجھے اسکاٹ لینڈ یارڈ بھیجا۔ کیا میں یتیم ہونے کے بعد ایسی تربیت حاصل کر سکتا تھا؟"

"میں نے کہا نا خاموش رہو۔ اگر آئندہ تم نے یہ باتیں کیں تو میں تمہیں گھر میں نہیں آنے دوں گا۔"

پھر اس نے سارہ سے کہا "یہ علی سردار ہے۔ میرے مرحوم دوست کا بیٹا ہے۔ بہت ہی ذہین اور دلیر ہے۔ اس نے انٹیلی جنس ڈپارٹمنٹ میں بہت جلد اپنا مقام بنالیا ہے اور ہمیں اس پر فخر ہے۔"

سارہ اسے بہت دیر سے یوں دیکھ رہی تھی جیسے اس کا آئیڈیل اس کے سامنے چلا آیا ہو۔ اس کے بڑے ابو نے کہا "اور یہ ہماری بیٹی سارہ فردوسی ہے' ہمیشہ خواب و خیال کی دنیا میں رہتی ہے۔"

علی سردار نے سارہ کو دیکھا تو نظریں ملتے ہی سارہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ علی سردار نے کہا "مجھے یاد آرہا ہے' میں نے سارہ کو بچپن میں دیکھا تھا۔ بہرحال میں آپ کا وقت برباد نہیں کروں گا یہ مٹھائی لے کر آیا ہوں۔"

"کیوں بھئی' یہ کس خوشی کی مٹھائی ہے۔"

"انکل آپ تو جانتے ہیں' میں فضول خرچی سے پرہیز کرتا ہوں لیکن مجبوراً مجھے اپنی اٹھائیسویں سالگرہ منانا پڑی اس سلسلے میں یہ مٹھائی لے کر آیا ہوں۔"

سارہ کا دل اور تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اٹھائیسویں سالگرہ کا مطلب ہے کہ وہ اس سے دس برس بڑا تھا۔ وہ خوش ہو کر علی سردار سے بولی "کیا واقعی آپ کی اٹھائیسویں سالگرہ ہے؟"

"ہاں! اسی لیے تو یہ مٹھائی لایا ہوں۔"

"مٹھائی تو میں دیکھ رہی ہوں لیکن آپ کو پورا یقین ہے کہ آپ اٹھائیسویں برس میں آگئے ہیں۔"

وہ حیرانی سے بولا "تعجب ہے میں اپنی عمر نہیں جانتا' آپ کو میری بات پر شبہ کیوں ہے؟"

وہ بولی "کچھ نہیں' وہ بات اصل میں یہ ہے کہ...."

وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر بڑے ابو سے بولی "ابو دیکھیے میں اٹھارویں برس میں ہوں اور یہ اٹھائیسویں برس میں ہیں... آپ سمجھ رہے ہیں نا....؟"

بڑے ابو نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا "میں سب سمجھ رہا ہوں لیکن تم نہیں سمجھ رہی ہو۔ یہ علی سردار شادی شدہ ہے۔"

یہ سنتے ہی وہ جھاگ کی طرح آہستہ آہستہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے بڑے ابو کو بے یقینی سے دیکھا پھر کہا "ابو آپ مذاق کر رہے ہیں۔"

"بیٹی میں مذاق نہیں کر رہا ہوں' یہ حقیقت ہے۔ اس کی شادی کو چار برس گزر چکے ہیں۔"

"تو یہ کیسی مٹھائی ہے کہ تنہا لے کر آئے ہیں۔ کیا ان کی شریکِ حیات نہیں آسکتی تھیں۔"

"بھئی تم اندر کی بات نہیں جانتی ہو۔ ان کی اپنی...... بیگم صاحبہ سے بنتی نہیں ہے۔ وہ فضول خرچ کی عادی ہیں اور یہ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاتا ہے۔ ایک اچھا بڑا افسر ہے لیکن نہ کبھی کسی سے رشوت لیتا ہے۔ نہ کبھی حرام کا ایک پیسہ اپنی ذات پر خرچ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس اس کی بیوی ہمیشہ اسے طعنے دیتی ہے کہ اس کے لیول کے افسر بڑی بڑی شان دار کوٹھیوں میں رہتے ہیں اور ان کے پاس کئی کئی کاریں ہوتی ہیں۔"

علی سردار نے کہا "اس بار وہ بضد تھی کہ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں سالگرہ منائی جائے۔ میں نے پوچھا اتنی بڑی رقم کہاں سے آئے گی؟"

"میں بندوبست کر دوں گی۔"

"ہاں میں جانتا ہوں' تمہارے پاس فون کالز آتی رہتی ہیں۔ کوئی نہ کوئی تمہیں لالچ دیتا رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے عوض میں اپنے فرض کی ادائیگی بھول جاؤں۔"

سارہ کے بڑے ابو نے ہنس کر کہا "پھر تو وہ ناراض ہو کر میکے چلی گئی ہوگی۔"

"ان چار برسوں میں پتا نہیں وہ کتنی بار میکے جا چکی ہے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو طلاق کی نوبت آجاتی۔"

"بیٹے میں نے تو بزرگ کی حیثیت سے اسے بھی سمجھایا ہے کہ جو لوگ بھی اسے بڑی بڑی رقم کا لالچ دیتے ہیں وہ صرف اس لیے کہ تم ایک بڑے افسر ہو اگر تم طلاق لے کر جاؤ گی اور کسی اور سے شادی کرو گی تو پھر کبھی کوئی فون کال نہیں آئے گی' کوئی تمہیں بڑی بڑی رقم کا لالچ نہیں دے گا۔"

سارہ نے ناراضگی سے کہا "آپ نے کیوں منع کر دیا؟ طلاق ہونے دیتے ایسی عورت کے ساتھ کون زندگی گزار سکتا ہے۔"

"بیٹی وہ بھی چالاک عورت ہے۔ یہ سمجھتی ہے کہ اگر کچھ حاصل کر سکے گی تو وہ علی سردار کی شریکِ حیات بن کر ہی کر سکے گی۔"

سارہ نے بڑی مایوسی سے علی سردار کی طرف دیکھا' اسے اس کے پیچھے ایک عورت کھڑی ہوئی دکھائی دی۔ اس نے علی سردار کی شریکِ حیات کو دیکھا نہیں تھا لیکن وہ سمجھ گئی کہ یہ وہی ہو سکتی ہے کیونکہ وہ عورت سارہ کو ٹھینگا دکھا رہی تھی۔

○☆○

اس ٹاپ سیکرٹ فائل نمبر ۶ کا معاملہ اٹک گیا تھا بلکہ لٹک گیا تھا اور جو چیز اوپر لٹکی ہو اور اچھل اچھل کر پکڑنے میں نہ آرہی ہو تو کہا جاتا ہے انگور کھٹے ہیں لیکن یہ بات ایک لومڑی کہہ سکتی تھی لیکن لومڑی کی طرح مکار مخالفین نہیں کہہ سکتے تھے۔ انہیں اس ٹاپ سیکرٹ فائل نمبر ۶ کی اشد ضرورت تھی۔

یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب پاکستان کو کمزور سمجھ کر چیلنج کرنے کے لیے بھارت نے دو میزائل نہیں داغے تھے۔ پہلے وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ پاکستان ایٹمی قوت کے لحاظ سے کس قدر مضبوط ہے اور اس کی جنگی تیاریاں کتنے کامیاب مراحل طے کر چکی ہیں۔ یہ سب کچھ اس ٹاپ سیکرٹ فائل سے معلوم ہو سکتا تھا۔

انہوں نے زبردست پلاننگ کے مطابق عمل کرتے ہوئے اس فائل کو چرایا تھا پھر علی سردار انہیں ناکام بنا کر وہ فائل واپس ریکارڈ روم میں لے آیا تھا۔ اب دوبارہ اس ریکارڈ روم میں داخل ہونا ناممکن تھا۔ وہاں جانا اب ایسا ہی تھا جیسے کوئی جان بوجھ کر خود کو اندھے کنوئیں میں گرا رہا ہو۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ علی سردار نے اب اس فائل کو پہلے سے زیادہ محفوظ رکھنے کے لیے کیسے کیسے جتن کیے ہوں گے۔ یہ سب کچھ معلوم کرنے کے لیے اور اس فائل تک پہنچنے کے لیے پھر زبردست پلاننگ ہو رہی تھی اور اس پر عمل شروع ہو چکا تھا۔

حشمت خانم اپنے میکے میں تھی اور اپنے بیڈ پر لیٹی ہوئی سرہانے رکھے ہوئے موبائل فون کو بار بار تک رہی تھی، اس موبائل فون کو وہ اپنے میکے میں چھپا کر رکھتی تھی اور مہینے میں دو چار بار علی سردار سے لڑائی جھگڑا کر کے چلی آتی تھی اور اس فون کے ذریعے کسی سے رابطہ کرتی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ فون کس نے دیا ہے۔ بس اچانک ہی ایک دن اسے معلوم ہوا کہ فون اس کے میکے میں اس کے بیڈ روم میں تکیے کے نیچے پہنچ گیا ہے۔ یہ طے پایا تھا کہ وہ جب بھی علی سردار سے لڑائی جھگڑا کر کے یا کسی اور بہانے اپنے میکے میں آئے گی تو رات کے ایک بجے اس سے اس موبائل فون کے ذریعے گفتگو کی جائے گی۔

ٹھیک ایک بجے فون کا بزر بولنے لگا۔ اس نے فوراً ہی موبائل فون اٹھا کر اس کے بٹن کو پش کیا پھر کان سے لگا کر بولی "ہیلو! میں حشمت خانم بول رہی ہوں۔"

"اور میں تمہارا ہمدرد اور دوست بول رہا ہوں۔"

"تم پہلے بھی یہی کہہ چکے ہو لیکن اپنا نام اور پتا نہیں بتاتے ہو۔"

"تم آم کھانا چاہتی ہو یا پیڑ گننا چاہتی ہو۔ میں کہہ چکا ہوں جب تم راضی ہو جاؤ گی اور ہر طرح سے ہمارے ساتھ تعاون کرو گی تو میں صرف نام اور پتا نہیں بتاؤں گا بلکہ تمہارے سامنے بھی آجاؤں گا۔"

"میں نے بار سوچ چکی ہوں۔ علی سردار بہت ہی خطرناک ہے اگر اس کے کان میں ذرا سی بھنک پڑ گئی کہ ایک موبائل فون میرے میکے میں چھپا رہتا ہے اور میں کسی سے گفتگو کرتی ہوں تو وہ میری جان لینے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ تم سب جانتے ہو کہ وہ کتنا خطرناک ہے۔"

"اور تم نہیں جانتیں کہ ہم کتنے خطرناک ہیں۔ جب چاہیں اسے گولی سے اڑا دیں لیکن یہاں یہ ممکن نہیں ہے' وہ بہت چوکس رہتا ہے۔ اس کے آس پاس گارڈز ہوتے ہیں اور وہ خود بھی لومڑی کی طرح مکار ہے۔ بہت چالاک ہے۔"

"اسی لیے تو میں ڈرتی ہوں۔"

"جب ہمارے منصوبے پر عمل کرو گی تو سارا ڈر نکل جائے گا اور وہ ایک چوہے کی طرح مارا جائے گا۔"

"ایسی بات کرتے ہو تو عجیب سا لگتا ہے' کیا میں اپنے شوہر کو اپنے جیون ساتھی کو ہلاک ہوتے دیکھ سکوں گی!"

"شوہر پرست ہو تو دولت کو بھول جاؤ۔ وہ سرکاری بنگلے میں رہتا ہے جب مرے گا تو تمہیں وہاں سے بیوہ بن کر نکلنا پڑے گا۔ اس کے پاس نہ دولت ہو گی' نہ جائداد ہو گی۔ چند لاکھ روپے شاید اسے سرکار سے ملیں گے۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں جبکہ تم لاکھوں کروڑوں میں کھیلتی رہو گی۔ صرف یہاں نہیں بلکہ لندن میں بھی تمہارا ایک خوب صورت بنگلا ہو گا۔ دو کاریں ہوں گی اور بینک بیلنس اتنا ہو گا کہ اسے خرچ کرتے کرتے خود بیزار ہو جاؤ گی۔"

اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا "تم مجھ سے کیا تعاون چاہتے ہو؟"

"صرف اتنا کہ اسے پاکستان سے باہر لے جاؤ اور لندن اس کام کے لیے زیادہ مناسب ہو گا۔"

"میں کیسے یقین کروں کہ جو کچھ مجھ سے کہا جا رہا ہے' وہ سب کچھ مجھے دیا جائے گا۔"

"اسی لیے کہا جا رہا ہے کہ اسے لندن لے چلو وہاں پہلے تمہارے نام ایک خوب صورت بنگلا کیا جائے گا۔ اس کے بعد کاریں خرید کر دی جائیں گی۔ تمہارے بینک بیلنس میں اتنے پاؤنڈز جمع ہوں گے کہ تم انہیں روپوں میں تبدیل کر کے گنتی ہی رہ جاؤ گی۔"

"وہ اپنی تنخواہ سے بچت کرتے کرتے کبھی کبھی مجھے کسی پہاڑی علاقے میں لے جاتا ہے۔ اتنی دور لندن لے جانے کے لیے اس کے پاس لاکھ' دو لاکھ کہاں سے آئیں گے؟"

"کیا تمہارا وہاں کوئی رشتے دار نہیں ہے؟"

"میرے رشتے دار اتنے امیر اور کبیر ہیں کہ وہ ہم سب کو بہت ہی حقارت سے دیکھتے ہیں۔ کبھی ہمارے گھر ہی نہیں آتے نہ ہی کبھی کسی قسم کا رابطہ رکھتے ہیں۔"

"بس سمجھو کہ کام ہوگیا ان کے نام اور پتے بتاؤ ان کی طرف سے تمہارے پاس فون آئے گا کہ ان میں سے جو تمہارا قریبی رشتے دار ہے' اس کی سالگرہ ہے اور تمہیں اس سالگرہ میں علی سردار کے ساتھ مدعو کیا گیا ہے۔ وہ تمہیں اور علی سردار کے لیے ریٹرن ٹکٹ بھی بھیجیں گے اور تم چاہو گی تو نقد روپے بھی بھیج دیے جائیں گے۔ تم کسی طرح علی سردار کو لندن چلنے کے لیے راضی کرلو۔"

"لیکن لندن پہنچ کر یہ جھوٹ کھل جائے گا کہ مجھے میرے کسی رشتے دار نے ریٹرن ٹکٹ دے کر نہیں بلایا تھا۔"

"لندن پہنچنے تک علی سردار کا کام تمام کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اگر ناکامی ہوئی تو وہاں تمہارا ایک پورا خاندان جو بہت امیر وکبیر ہے موجود رہے گا۔ وہ سب تمہارے رشتے دار بن کر تمہارا اور علی سردار کا استقبال کریں گے اور اپنے عالی شان بنگلے میں لے جائیں گے' تم اس کی فکر نہ کرو' ہم نے بہت کچھ سوچا ہوا ہے اور بہت کچھ کر گزریں گے۔"

"لندن میں میری ایک کزن صائمہ ہے۔ اس کا شوہر پتا نہیں کیا کرتا ہے بہت مال دار ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے رشتے دار بھی ہیں۔ میں ان سب کے نام اور ان کی عمریں وغیرہ لکھوا دوں گی۔ یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ ایک ایسا جعلی خاندان بنایا جاسکتا ہے لیکن جب علی سردار میرے ساتھ اس خاندان میں رہے گا تو میرے نام جو بنگلا خریدا جائے گا اور بینک میں میرے نام سے اکاؤنٹ کھولا جائے گا۔ میرے لیے کاریں مہیا کی جائیں گی تو کیا اس کا پتا علی سردار کو نہیں چلے گا؟ وہ نادان تو نہیں ہے؟"

"تم یہ نہیں جانتیں کہ اس سے پہلے ہی علی سردار یا تو ختم ہوجائے گا یا اسکاٹ لینڈ وہاں سے بالکل قریب ہے وہاں اس نے تربیت حاصل کی ہے۔ اس لیے ہم وہاں کے کسی جاسوس کے ذریعے اسے کال کریں گے۔ تو وہ اپنے ساتھی سراغ رسانوں سے ملاقات کے لیے ضرور جائے گا۔ اس وقت تم لندن میں بالکل تنہا رہو گی اور وہاں جو چاہو گی وہاں تمہارے تمام مطالبات پہلے ہی کچے کاغذ پر لکھ کر دے دیے جائیں گے۔"

"میرے خاندان میں جتنے افراد ہیں سب ہی بے انتہا دولت مند ہیں اور پاکستان کے باہر انہوں نے کتنے ہی ملکوں میں اپنی جائدادیں خریدی ہیں اور بینک بیلنس بنا رکھا ہے۔ میں ان سب کے سامنے احساس کمتری میں مبتلا ہوتی رہتی ہوں۔ میں انہیں بتاؤں گی کہ میں بھی کتنی دولت مند ہوں لیکن ایک بات کھٹک رہی ہے۔"

"وہ کیا بات ہے؟"

"یہی کہ میں بیوہ ہونے کے بعد اتنی دولت مند کیسے ہوگئی۔"

"تم ہمارے منصوبے کو اچھی طرح نہیں سمجھ پا رہی ہو' ہمارے منصوبے کے مطابق تم بیوہ ہونے کے باوجود بھی بیوہ نہیں رہو گی۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"جب تم ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کے لیے راضی ہو جاؤ گی تب ہم تم سے ملاقات کریں گے اور تمہیں اپنی پوری پلاننگ سمجھائیں گے۔"

"دیکھو' میں زیادہ سے زیادہ دولت مند ضرور بننا چاہتی ہوں لیکن پورے تحفظ اور یقین کے ساتھ لہٰذا مجھ سے بھرپور تعاون چاہتے ہو تو پہلے ملاقات کرو۔ اپنی پوری پلاننگ مجھے سمجھاؤ۔ اس کے بعد میں اپنا اچھا اور برا' نفع اور نقصان دیکھ کر سوچ کر ہامی بھروں گی۔"

"تمہارا محتاط رہنا فطری سی بات ہے لیکن زیادہ سے زیادہ اپنی توقع سے بھی زیادہ دولت حاصل کرنے کے لیے کچھ تو خطرات مول لینے پڑتے ہیں۔"

"بے شک میں خطرات ہی مول لے رہی ہوں کیونکہ علی سردار سے زیادہ خطرہ مجھے کسی سے بھی نہیں ہے۔ میں پہلے یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اس کی موت کے بعد بھی میں بیوہ کیسے نہیں کہلاؤں گی' سہاگن کیسے کہلاؤں گی۔ تمہارا منصوبہ الجھا دینے والا ہے۔"

"کوئی بات نہیں' ہم سلجھا دیں گے۔ تم کل ہم سے ملو اور ملنے کی کوئی جگہ اپنی طرف سے مقرر کرو تاکہ تمہیں یہ اندیشہ نہ ہو کہ علی سردار تمہارا تعاقب کرسکتا ہے یا تم پر کسی طرح کا شبہ کرسکتا ہے۔"

"کل وہ کسی سرکاری معاملے میں لاہور جارہے ہیں۔ میں رات ۹ بجے زیرو پوائنٹ سے آگے جو راستہ مری کی طرف جاتا ہے وہیں سے ایک راستہ مرگلا کی طرف بھی جاتا ہے۔ میں اس دوراہے پر انتظار کروں گی لیکن میرے پاس گاڑی نہیں ہے۔"

"فکر نہ کرو گاڑی پہنچ جائے گی۔ کل رات ٹھیک آٹھ بجے تمہارے مکان سے کچھ آگے ایک سفید رنگ کی کار کھڑی ہوگی اس کار کا نمبر ہے IS 70303"

فون بند ہوگیا۔ حشمت خانم نے بھی اپنا فون بند کرکے تکیے کے نیچے رکھ لیا پھر سوچنے لگی' آنے والے دنوں کے خواب بہت رنگین تھے۔ صرف علی سردار سے ڈر لگتا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ وہ اسے دھوکا دینے میں کامیاب ہوجائے گی اور جیسی ٹھوس پلاننگ کی جارہی ہے' اس کے حوالے سے اس کا دھوکا کھانا لازمی ہوگا۔

لیکن اسے پلاننگ میں ایک بات عجیب سی لگ رہی تھی کہ وہ بیوہ ہونے کے بعد بھی بیوہ نہیں سہاگن کہلائے گی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کیا علی سردار مرنے کے بعد دوسرا جنم لے گا اور دوسرا جنم لینے کے بعد اپنے پچھلے جنم کو بھول جائے گا۔ اس نے کئی انڈین فلمیں اور ڈش انٹینا پر ڈرامے دیکھے تھے۔ یہ ڈش انٹینا پاکستان میں اس قدر عام ہوگیا ہے کہ بیشتر پاکستانی غیر شعوری طور پر وہاں کی تہذیب' ثقافت اور مذہبی نظریات سے متاثر ہوتے جارہے ہیں۔ دشمنوں

کے قریب میں آکر حشمت خانم بھی کچھ اسی انداز میں سوچنے لگی تھی۔

○☆○

سارہ فردوسی اچانک ہی نیند سے بیدار ہوگئی۔ آنکھیں کھول کر اپنے بیڈروم کو تکنے لگی پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ کئی انجانے لوگ علی سردار پر گولیاں برسا رہے ہیں اور وہ گولیوں سے چھلنی ہوکر گر پڑا ہے اور بے دم ہوگیا ہے یعنی کہ مرچکا ہے۔

سارہ کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ گھبرا رہی تھی۔ سوچ رہی تھی، یہ خواب تھا یا کوئی حقیقت تھی جو اسے خواب میں نظر آئی ہے۔ کیا علی سردار زندہ ہوگا۔

وہ بستر سے اٹھ گئی۔ کمرے میں گہری خاموشی تھی، دروازے کھلے تھے۔ بالکونی سے آنے والی ہواؤں کے باعث پردے یوں ہل رہے تھے جیسے وہ دوبارہ زندہ ہوکر پردے ہٹا کر اس کے پاس آرہا ہو۔ اس وقت ایک ڈراؤنی فلم کی سسپنس بھری موسیقی اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ ایسی موسیقی سن کر فلم دیکھنے والوں کو پتا چلتا ہے کہ اب کوئی انہونی سی بات ہونے والی ہے۔

اس نے بالکونی میں آکر دور تک دیکھا، آدھے چاند کی روشنی میں کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ رات کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس کے ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ کیسے معلوم کریں کہ وہ ابھی اس دنیا میں ہے یا دوبارہ جنم لے کر آیا ہوا ہے۔

وہ بالکونی سے پلٹ کر کمرے میں آئی پھر ٹیلی فون ڈائریکٹری میں انٹیلی جینس ڈپارٹمنٹ کا نمبر دیکھنے لگی۔ اس میں کئی بڑے چھوٹے افسران کے نمبر درج تھے۔ اب پتا نہیں رات کے وقت وہاں کتنے افسران ڈیوٹی پر تھے۔ دو تین نمبر ڈائل کئے پھر ایک افسر سے رابطہ قائم ہوا۔ اس نے کہا میرا نام سارہ فردوسی ہے۔ میں مسٹر علی سردار بھٹی کی کزن ہوں۔ ان سے ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔

اس افسر نے علی سردار کے نمبر بتائے۔ وہ فون بند کرکے اس کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم ہوا، دوسری طرف سے علی سردار کی آواز سنائی دی۔ وہ بولی "میں سارہ بول رہی ہوں۔"

اس نے پوچھا "کون سارہ؟"

"میں سارہ فردوسی ہوں۔ آپ میرے ابو سعید احمد سے ملنے آئے تھے۔ سالگرہ کی مٹھائی لائے تھے۔"

"اوہ، اچھا تم ہو سارہ ہاں بولو۔ اتنی رات کو کیسے فون کیا۔ خیریت تو ہے۔"

"جی ہاں آپ کی آواز سن کر اب خیریت ہی خیریت ہے۔"

"اس کا مطلب کیا ہوا۔ میری آواز سن کر اپنی خیریت بتا رہی ہو۔"

وہ ذرا ہچکچائی پھر بولی "بس آپ یوں سمجھ لیں کہ میں نے یونہی آپ کو فون کیا تھا۔"

"میں یونہی کیسے سمجھ لوں۔ کوئی تو بات ضرور ہوگی۔ پلیز مجھ سے نہ چھپائیں۔"

"وہ بات اصل میں یہ ہے کہ میں صحیح بات کہوں گی تو آپ میرا مذاق اڑائیں گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں، مذاق نہیں اڑاؤں گا۔ سنجیدگی سے سنوں گا۔ سنجیدگی سے جواب دوں گا۔"

"ابھی میں سو رہی تھی اور خواب میں آپ کو دیکھ رہی تھی۔"

"مجھے دیکھ رہی تھیں، یہ بتاؤ کیا دیکھا؟"

"میں نے دیکھا کہ .... کچھ انجانے سے لوگ ہیں اور ان کے ساتھ آپ کی بیگم صاحبہ کھڑی ہوئی ہیں اور وہ لوگ آپ کو گولیاں مار رہے ہیں اور آپ کی بیگم آپ کو مرتے دیکھ کر مسکرا رہی ہیں۔"

فون پر تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر سارہ نے کہا "میں سمجھ رہی ہوں آپ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر میرے اس احمقانہ خواب پر ہنس رہے ہیں۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ یہ بتاؤ تم نے میری بیگم کو کبھی دیکھا ہے؟"

"میں نے آج تک انہیں نہیں دیکھا لیکن وہ انجانے لوگ اس عورت کو حشمت خانم کہہ کر مخاطب کررہے تھے۔"

پھر ذرا دیر کے لیے خاموشی چھا گئی... اس کے بعد وہ بولا "تم نے ایک ڈراؤنا خواب میرے سلسلے میں دیکھا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم میرے متعلق کچھ سوچتی ہو۔"

اس بار وہ ذرا ہچکچائی پھر بولی "ہاں سوچتی تو ہوں مگر.... مگر یہ کہ بس جانے دیں..."

"جس دن میں سالگرہ کی مٹھائی لے کر آیا تھا تو تم چائے کے لیے کچن کی طرف گئی تھیں، اس وقت تمہارے بڑے ابو نے بتایا کہ تم خیالوں میں رہتی ہو اور ڈراؤنی فلمیں دیکھتی ہو اور تم اس بات پر عقیدہ رکھتی ہو کہ انسان مرنے کے بعد جنم لے کر اس دنیا میں دوبارہ آتا ہے۔"

"کیا آپ یقین رکھتے ہیں... کہ ایسا ہوسکتا ہے؟"

"ابھی کیسے یقین کروں؟ اگر واقعی مجھے گولیاں لگیں گی میں تمہارے خواب کے مطابق مرجاؤں گا پھر دوسرا جنم لے کر آؤں گا تو یقین کرلوں گا۔"

"خدا نہ کرے آپ کو ایک بھی گولی لگے لیکن میں کیا بتاؤں، پتا نہیں آپ کی شریک حیات کو نہ دیکھنے کے باوجود کیوں مجھے ایسا لگتا ہے جیسے ... جیسے کہ ...." وہ ذرا جھجک کر پھر بولی "میں کیا بتاؤں کسی کی غیبت نہیں کرنا چاہتی بس آپ کی بیگم کا لالچ پن مجھے کھٹکتا ہے۔ میرے ابو اور بڑے ابو کہہ رہے تھے کہ آپ غیر معمولی طور پر ذہین ہیں۔ کیا آپ کی ذہانت یہ کہتی ہے کہ ایک لالچی عورت واقعی کسی سے محبت کرتی ہوگی۔ کسی سے مراد آپ سے..."

"اب میں اس کے دل کی بات نہیں جانتا لیکن اس کا لالچ مجھے بھی بُرا لگتا ہے۔ بہرحال ایک بات میں تم سے کہنا چاہتا ہوں..."

"آپ فرمائیں میں سُن رہی ہوں جو کہیں گے' اس پر عمل کروں گی۔"

"اپنا یہ خواب کسی اور سے بیان نہ کرنا۔"

"وہ کیوں؟"

"ابھی تم نے کہا تھا میں جو کہوں گا' وہ کروگی پھر سوال کیوں کرتی ہو۔"

"اچھی بات ہے' میں کچھ نہیں پوچھوں گی اور اپنا یہ خواب کسی کے سامنے بیان نہیں کروں گی۔"

"تم بہت اچھی ہو' میری بات مان رہی ہو اور کچھ کہنا چاہتی ہو۔"

"ہاں کہنا چاہتی ہوں مگر..."

"ہچکچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کُھل کر بات کرو۔"

"اگر میں کبھی کبھی آپ کو فون کروں تو کیا آپ کے کام میں مداخلت ہوگی؟"

"ہرگز نہیں' تم جب چاہو مجھے فون کر سکتی ہو۔ میرا پرسنل نمبر نوٹ کرلو۔"

اس نے اپنا پرسنل نمبر بتایا۔ سارہ نے نوٹ کرنے کے بعد ریسیور رکھ دیا۔

وہ خوش ہو رہی تھی۔ ایک تو یہ کہ خواب جھوٹا ثابت ہوا تھا۔ علی سردار زندہ تھا۔ دوسری بات یہ کہ اس سے آئندہ رابطہ کرنے کا سلسلہ شروع ہو رہا تھا۔ وہ پھر بستر پر آکر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی۔ سوچتے سوچتے اسے سادھو بابا کی باتیں یاد آئیں' اس نے کہا تھا تمہارا آئیڈیل تمہیں ملے گا لیکن پہلے معمولی سی رکاوٹ پیدا ہوگی۔

اب سارہ کی سمجھ میں آرہا تھا' وہ رکاوٹ علی سردار کی بیوی حشمت خانم ہے۔ اللہ کرے وہ مرجائے۔

وہ بستر پر بیٹھی اِدھر سے اُدھر ہو رہی تھی۔ اندر سے بے چین تھی۔ دل کی اچھی تھی' کسی کا برا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے پھر دل میں کہا یا اللہ' مجھے معاف کردے۔ کسی کی برائی چاہنا نہیں چاہیے۔ بے چاری حشمت خانم' زندہ سلامت رہے۔ تجھے جو کرنا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ہمیں دوسروں کے متعلق اچھی باتیں سوچنا چاہئیں۔

دروازے پر دستک ہوئی وہ بستر سے اُتر کر تیزی سے آئی پھر دروازے کو کھولا۔ سامنے بڑے ابو کھڑے ہوئے تھے' انہوں نے کہا "تمہارے کمرے میں روشنی دیکھ کر آیا ہوں' جانتی ہو رات کے دو بج چکے ہیں اور تم ابھی تک جاگ رہی ہو۔"

"جی' وہ.....وہ تو میں سوگئی تھی' بس وہ خواب دیکھ کر جاگ گئی۔"

"ہوں! تم نے پھر کوئی الٹا سیدھا خواب دیکھا ہوگا؟"

"جی' جی ہاں..... جی' جی نہیں..."

"تم ہمارے سامنے کی بچی ہو' ہماری گود میں پلی بڑھی ہو۔ ہم سے بات نہیں چھپا سکتیں۔ دیکھو بٹیا' اچھی باتیں سوچا کرو۔ اچھے خیالات دل میں لایا کرو۔ کلامِ پاک کا ترجمہ اور تفسیر پڑھا کرو۔ تمہیں پتا چلے گا کہ کتنی اچھی باتیں بتائی گئی ہیں اور زندگی گزارنے کا کتنا اچھا سلیقہ سکھایا گیا ہے۔ یہ آواگون والا عقیدہ کہ مرنے کے بعد آدمی دوبارہ زندہ ہوتا ہے۔ تو تم اپنے رب کریم پر بھروسا کرو۔ وہ کسی کو مارتا ہے تو اس مردہ میں جان بھی ڈال دیتا ہے۔ اس قادرِ مطلق کے لیے کوئی کام بعید نہیں ہے لیکن تمہیں ایسا نہیں سوچنا چاہیے۔ جاؤ دروازہ اندر سے بند کرو' لائٹ آف کرو اور پھر سوجاؤ۔"

اس نے شب بخیر کہہ کر دروازے کو اندر سے بند کرلیا۔

○☆○

دوسری رات آٹھ بجنے سے کچھ پہلے حشمت خانم اپنے مکان سے نکلی' چند قدم جانے کے بعد وہی سفید کار نظر آئی جس کا نمبر اسے بتایا گیا تھا۔ ڈرائیور نے اسے دیکھتے ہی سلام کیا پھر کہا "بیگم صاحبہ' میں آپ کو جانتا ہوں' تشریف رکھیں۔"

وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ڈرائیور نے اسٹیئرنگ سیٹ سنبھالی پھر وہ کار آگے بڑھتے ہوئے۔ زیرو پوائنٹ کی جانب جانے لگی۔

حشمت خانم نے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟"

ڈرائیور نے کہا "ہم تو گاڑی ہانکنے والے ہیں کسی نام سے بھی پکارا جا سکتا ہے۔ کوئی صاحب ہمیں کہتا ہے ابے او گدھے کے بچے' کوئی کہتا ہے یو بلیڈی ڈاگ۔ ہمیں سب سننا پڑتا ہے اور سب کرنا پڑتا ہے۔"

"تم مجھے کیسے جانتے ہو؟"

"جہاں ہم کام کرتے ہیں وہاں ضرورت کے ہر فرد کو دیکھنا اور سمجھنا پڑتا ہے۔ تبھی نوکری قائم رہتی ہے۔"

"تمہارا باس کیا بھارتی سفارت خانے کا سفیر ہے؟"

"نہیں' بیگم صاحبہ وہ تو کبھی ہم پر بُرا وقت آئے تو عالمی میڈیاز کے سامنے ہماری حمایت میں بولتے ہیں۔ اس سے زیادہ ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"تو پھر تمہارا باس کون ہے؟"

"یہ بتانا مشکل ہے کہ وہ کون ہیں اور کس دیس میں رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ڈرائیور بن کر اس وقت آپ کے ساتھ چل رہا ہو۔"

"جب مجھ سے بھرپور تعاون چاہتے ہو' مجھے راز دار بنانا چاہتے ہو تو پھر یہ کیوں چھپا رہے ہو کہ تم باس نہیں' ایک ڈرائیور ہو۔"

"آپ یقین کریں، میں ڈرائیور ہوں۔ مثال کے طور پر کہہ رہا تھا کہ باس کسی بھی شکل وصورت میں مل سکتا ہے۔"

ایک راستہ مری کی طرف اور دوسرا مرگلہ کی طرف جاتا تھا۔ اس موڑ سے ذرا دور آگے جاکر ڈرائیور نے گاڑی روک دی۔ ملاقات کے لیے وہی جگہ مقرر کی گئی تھی۔ ایک منٹ کے اندر ہی مخالف سمت سے ایک کار آتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ قریب آکر ذرا فاصلے پر رک گئی۔ بہت ہی قیمتی کار تھی۔ دونوں کی ہیڈلائٹس ایک دوسرے پر پڑ رہی تھیں لیکن آنے والی کار کے شیشے کلرڈ تھے۔ اس میں بیٹھا ہوا شخص نظر نہیں آرہا تھا۔ ڈرائیور نے کہا "بیگم صاحبہ' جایئے ملاقات کیجئے۔ میں انتظار کرتا ہوں۔"

وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر آگے بڑھی۔ دوسری کار کا بھی دروازہ کھلا..... پھر ایک دراز قد شخص باہر آیا۔ جیسے ہی ہیڈلائٹس کی روشنی اس کے چہرے پر پڑی تو حیرت سے حشمت خانم کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی' وہ ایک دم سے گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی کیونکہ اس کے سامنے علی سردار بھی کھڑا ہوا تھا۔

وہ ہنستے ہوئے بولا "کیوں ڈر گئیں؟"

وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں جو تم مجھے سمجھ رہی ہو۔ وہ میں نہیں ہوں اور جو میں ہوں' وہ تم نہیں سمجھ رہی ہو یعنی کہ میں علی سردار نہیں ہوں۔"

وہ ہکلاتے ہوئے بولی "مم.... مجھے معاف کردو' میں لالچ میں آگئی تھی۔"

وہ مسکرا کر بولا "تم ایک بیوی ہوکر اپنے شوہر کے اس مزاج کو نہیں سمجھتیں کہ اگر میں علی سردار ہوتا تو تم سے کوئی سوال نہیں کرتا۔ فوراً گولی ماردیتا کیونکہ وہ وطن کے غداروں کو ایک سانس بھی لینے کا موقع نہیں دیتا ہے۔"

وہ اپنے خوف پر قابو پاتے ہوئے اس بار اسے سر سے پیر تک غور سے دیکھنے لگی۔ وہ بولا "میں کوئی اس کا جڑواں بھائی نہیں ہوں اور نہ ہی ہم شکل ہوں بلکہ ہم شکل بن گیا ہوں۔ ہمارے لیے وہ ٹاپ سیکرٹ فائل جس کا نمبر اب تبدیل کردیا گیا ہے۔ بہت ضروری ہے۔ ہم اسے ہر حال میں حاصل کریں گے اور اسے حاصل کرنے کا یہی ایک راستہ رہ گیا تھا کہ علی سردار کو اس کی جگہ سے ہٹا کر میں چلا آؤں۔"

وہ اب بھی اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی' وہ بولا "تم نے فون پر کہا تھا کہ جب تم بھرپور تعاون کررہی ہو اور رازدار بن رہی ہو تو تمہیں منصوبے سے آگاہ کیا جانا چاہیے اس لیے میں تمہیں تمام معاملات سمجھانے آیا ہوں۔"

وہ اس کے قریب آکر اسے چھونے لگی' چاروں طرف گھوم کر اسے اچھی طرح دیکھنے لگی پھر اس نے اس کے ہاتھ کو لے کر سونگھا' وہ بولا "یہ سردی کا موسم ہے۔ پسینہ نہیں نکل رہا ہے اور نہ میرے پسینے کی بو علی سردار کے پسینے کی بو سے مختلف ہوتی اور ایک بیوی فوراً سمجھ لیتی کہ اس کا شوہر کون ہے۔ بہرحال میں نہیں ہوں' تم اچھی طرح یقین کرلو۔ کیا تمہارے شوہر نے کبھی اتنی قیمتی کار رکھی ہے؟ اس کی قیمت بائیس لاکھ روپے ہے۔ ایسی دو گاڑیاں تمہارے پاس لندن میں ہوں گی اور جو بنگلا تمہیں دیا جائے گا اور تمہارے نام کیا جائے گا۔ اس کی قیمت یہاں کے کروڑ روپے سے زیادہ ہوگی اور تمہارے بینک بیلنس کے متعلق بتادیا گیا ہے کہ تم جتنا مطالبہ کروگی۔ اتنی ہی رقم جمع کردی جائے گی۔"

حشمت خانم نے پہلی بار زبان کھولی' اس سے بولی "کیا تم نے چہرے پر پلاسٹک سرجری کرائی ہے؟"

"یہی سمجھ لو' میں لندن میں تھا' وہاں چہرے بدلنے کے بہتیرے طریقے ہیں۔ میں نے یہ مستقل طریقہ اختیار کیا ہے تاکہ انٹیلی جنس والوں کو شبہ نہ ہو۔"

وہ بول رہا تھا' یہ سن رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "میں بارہ برس کی عمر سے اسٹیج پر کام کرتا تھا اور بہت کامیاب نقال کہلاتا تھا۔ ایک برس بعد انٹیلی جنس والوں نے میری اداکاری اور میری نقالی دیکھی تو مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں انہوں نے میرے اس فن کو فروغ دیا۔ اچھی طرح سکھایا۔ کس کس کی نقالی کس طرح کی جاتی ہے۔ کس طرح آوازوں میں تبدیلیاں پیدا کی جاتی ہیں۔ مجھے رائٹنگ ایکسپرٹ کے شعبے میں بھی رکھا گیا۔ میں ہر طرح کی تحریر کی نقل کرسکتا ہوں۔ کسی کے بھی مشکل سے مشکل دستخط کامیابی سے کرسکتا ہوں۔"

وہ اس قیمتی کار کو چھو کر للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی' پھر اس کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں کاروں کی ہیڈلائٹس کے درمیان چلتے ہوئے بولا "میری چال دیکھو' میری باتیں سنو کیا تمہیں کہیں کوئی فرق نظر آتا ہے۔"

واقعی وہ بالکل علی سردار ہی کی طرح چل رہا تھا' رک رہا تھا' کار سے ٹیک لگا کر بیٹھ رہا تھا۔ باتیں کرنے کے دوران میں جس طرح علی سردار کبھی کبھی ہاتھ ہلاتا ہے۔ اسی طرح وہ ہاتھ ہلاتا تھا۔ ایک ذرا فرق نظر نہیں آرہا تھا۔ حشمت خانم نے کہا "ہاں' کوئی فرق نہیں ہے لیکن علی سردار کبھی اتنا خوب صورت سوٹ نہیں پہنتا۔"

"جب منصوبے پر عمل شروع ہوگا تو میں بھی اس کی طرح سادہ لباس پہنا کروں گا۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ وہ میرے ماں باپ اور دوسرے رشتے داروں کے سامنے مجھے کس طرح مخاطب کرتا ہے۔"

"تمہارا نام حشمت خانم ہے۔ لہٰذا وہ خانم کہہ کر مخاطب کرتا ہوگا۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں' وہ مجھے حشمی کہتا ہے۔"

"اچھا ہوا تم نے بتادیا۔ تمہارے ذاتی معاملات کے بارے

میں بھی مجھے کچھ جاننا ہے۔ لہٰذا جو سوالات تمہارے دماغ میں کھٹکتے ہوں' ان کے جوابات مجھ سے پوچھ لیا کرو۔ غلطی کروں تو مجھے بتا دیا کرو۔ ویسے کل صبح ہوتے ہی تم اپنے سسرال یعنی علی سردار کے پاس چلی جاؤ۔ وہ ٹھیک ایک بجے لنچ کرتا ہے۔"

"تم یہ بھی جانتے ہو؟"

"ہم نے بڑی باریکی سے علی سردار کے متعلق معلومات حاصل کی ہیں۔ صرف میاں بیوی کی زندگی کے بارے میں کچھ باتیں رہ گئی ہیں۔ وہ بھی تم سے معلوم ہو جائیں گی۔ بہرحال جب ایک بجے لنچ میں مصروف ہو گی تو اس وقت لندن سے تمہاری کزن صائمہ کا فون آئے گا۔ یہاں سے وہ ڈراما شروع ہو جائے گا جو ہم نے طے کیا ہے۔"

"میری کزن مجھے لندن سے اپنی سالگرہ کے سلسلے میں انوائٹ کرے گی اور علی سردار کو بھی میرے ساتھ بلائے گی۔ یہی ایک مشکل مرحلہ ہے۔ علی سردار سرکاری ڈیوٹی چھوڑ کر کہیں جاتا نہیں ہے۔"

"بھئی کچھ پانے کے لیے مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے۔ سوچو کہ تم دیکھتے ہی دیکھتے کس قدر دولت مند بن جاؤ گی۔ کیا اس کے لیے تم علی سردار کو لندن چلنے پر مجبور نہیں کر سکو گی۔"

"میں پوری کوشش کروں گی لیکن.... ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں' کیا علی سردار کا لندن جانا ضروری ہے؟"

"ہاں ضروری ہے۔ اگر وہاں اس کا مرڈر ہو گا تو ہمارے ہاں کی ایجنسی پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔ ہم اپنے بچاؤ کے لیے تمہارے ساتھ اسے بھی لندن بلا رہے ہیں۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی' وہ بولا "تم کچھ پریشان نظر آ رہی ہو۔ تمہارے دل میں جو بات ہے صاف صاف کہہ دو۔"

وہ بولی "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اسے قتل نہ کیا جائے' کہیں گرفتار کر کے ایسی جگہ بند کر دیا جائے جہاں سے وہ کبھی نکل نہ پائے۔"

"ایسا ممکن ہوتا تو ہم یہ گزرتے' شیر کو ہانک کر پنجرے میں بند کرنا آسان ہے لیکن اسے گرفتار کرنا اور قابو میں رکھنا بہت مشکل ہے۔ وہ کتنا چالباز اور مکار ہے' یہ تم سے زیادہ ہم سمجھتے ہیں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ دنیا کا بہت ہی انوکھا اور غیر معمولی جاسوس ہے۔ ہم اسے گرفتار بھی کر سکتے ہیں اور کہیں بند بھی کر سکتے ہیں جہاں سے وہ نکل نہ پائے لیکن ایسا خطرہ مول لینا نہیں چاہتے۔ وہ ٹاپ سیکرٹ فائل ہمارے لیے بہت ضروری ہے۔ یہ ہماری ایجنسی کا فیصلہ ہے کہ آئندہ اسے حاصل کرنے سے پہلے علی سردار کو ہمیشہ کے لیے راستے سے ہٹا دیا جائے ورنہ دوسری بار ریکارڈ روم میں پہنچنا بالکل ہی ممکن نہیں ہو گا۔"

وہ خاموش رہی۔ اس نے پوچھا "کیا تم علی سردار کو بحیثیت شوہر بہت چاہتی ہو؟"

"چاہنے کی بات نہیں ہے۔ شوہر وہی ہوتا ہے جو اپنی عورت کی ہر خواہش پوری کرے لیکن علی سردار میں یہ بات نہیں ہے۔ وہ بہت ضدی ہے' صرف اپنی بات منواتا ہے۔ میری ایک بھی نہیں مانتا۔"

"پھر کیا پرابلم ہے؟"

"کچھ نہیں۔ بس کچھ عجیب عجیب سا لگتا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ میں کسی کا خون ہوتے نہیں دیکھ سکتی' خواہ وہ میرا شوہر ہو یا نہ ہو۔ بچپن سے میری عادت ہے جب گھر میں مرغی ذبح کی جاتی تھی تو میں فوراً کمرے میں چلی جاتی تھی' اس کا خون بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "بس اتنی سی بات ہے' میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے کبھی اسے ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ تمہیں خبر بھی نہیں ہو گی اور وہ اس دنیا سے اٹھ جائے گا۔ اب بولو تمہارا کیا فیصلہ ہے؟"

وہ سر اٹھا کر بولی "اگر ایسی بات ہے تو مجھے منظور ہے۔ میں ہر طرح سے تعاون کروں گی۔ کل صبح ہی علی سردار کے گھر چلی جاؤں گی۔"

"تم نے منظور کر لیا' ہم نے یقین کر لیا کیونکہ ہم تمہیں بھی آزماتے رہتے ہیں۔ تم کہاں جاتی ہو.... کس سے ملتی ہو..... کتنی دیر گھر میں رہتی ہو' کتنی دیر باہر رہتی ہو اور کتنا سچ بولتی ہو اور کتنا جھوٹ بولتی ہو۔ یہ ساری باتیں ہمارے نوٹس میں رہتی ہیں۔ تم نے کل درست کہا تھا کہ علی سردار کسی سرکاری کام سے لاہور جا رہا ہے۔ ہم نے معلوم کیا ہے' واقعی وہ اس وقت لاہور میں ہے اور وہاں سے ہمارے جاسوس نے بھی یہی اطلاع دی ہے۔ لہٰذا ہمیں کبھی دھوکا دینے کی حماقت نہ کرنا ورنہ بُری طرح پچھتاؤ گی۔ ویسے ہم ابھی تم پر اسّی فیصد بھروسا کر رہے ہیں۔"

"باقی بیس فیصد اعتماد کب کرو گے؟"

"جب تم علی سردار کو ہمارے ٹارگٹ پر لے آؤ گی۔"

"اور اس سے پہلے میرے تمام مطالبات پورے کر دیے جائیں گے؟"

"بالکل' تم اسے لندن لے آؤ۔ وہ اسکاٹ لینڈ یارڈ ضرور جائے گا۔ دو دن کے لیے بھی جائے گا تو ان دو دنوں میں تمہارے تمام مطالبات پورے کر دیے جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے' میں بھی تم لوگوں پر اعتماد کر رہی ہوں' اب مجھے جانا چاہیے۔"

"ہاں' تم جا سکتی ہو۔ اگر رقم کی ضرورت ہو تو جتنی چاہو ابھی مل سکتی ہے۔"

"نہیں' اگر میرے پاس علی سردار کی دی ہوئی رقم سے ایک روپیہ بھی زیادہ نکلے گا تو اسے شبہ ہو گا۔ میرے اخراجات بہت ہیں۔ میں خوب دونوں ہاتھوں سے لٹانا چاہتی ہوں لیکن ابھی صبر

کروں گی۔"

یہ کہہ کر وہ اس سفید گاڑی کی پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گئی پھر اس نے کھڑکی سے سر نکال کر پوچھا "ذرا ایک منٹ...... میں تو تمہارا نام پوچھنا بھول گئی۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "کیا میں علی سردار بھٹی نہیں لگ رہا ہوں؟"

"پلیز' مذاق نہ کریں' مجھے نام تو معلوم ہونا چاہیے۔"

"اس وقت تک معلوم نہیں ہونا چاہیے جب تک کہ ہمارا کام نہ ہو جائے۔ اگر بھول سے بھی میرا نام تمہاری زبان پر آگیا تو وہ چوکنا ہو جائے گا کیونکہ وہ مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔"

"مگر تم اس کے ہم شکل بن گئے ہو' مخاطب کرنے کے لیے مجھے کچھ تو کہنا چاہیے۔"

"تم مجھے "کے ملہوترا" کہہ سکتی ہو۔"

یہ کہہ کر وہ بالکل علی سردار کے انداز میں چلتا ہوا اپنی کار کے پاس گیا پھر دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ حشمت خانم کی کار ریورس گیئر میں جاکر واپس اسلام آباد کی طرف مڑ گئی۔ وہ راستے میں سوچنے لگی' اگر جو کچھ سوچا گیا ہے' اس پر عمل ہو جائے گا اور میں دولت مند بن جاؤں گی تو پھر زندگی کیسے گزرے گی۔ میں بیوہ ہونے کے بعد بھی بیوہ نہیں رہوں گی' سہاگن کہلاتی رہوں گی لیکن کے ملہوترا کی سہاگن۔

کوئی بھی شریف عورت شوہر بدلنے کے بارے میں کبھی سوچتی بھی نہیں ہے لیکن وہ سوچ رہی تھی کہ عورت جب بیوہ ہو جاتی ہے تو وہ دوسری شادی کرتی ہے۔ میں یہی سمجھوں گی کہ میں نے دوسری شادی کرلی ہے اور پاکستان چھوڑ کر لندن میں رہنے لگی ہوں۔

وہ گھر پہنچی تو اس کے ماں' باپ جاگ رہے تھے۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ باپ نے پریشان ہو کر پوچھا "کہاں گئی تھیں' کچھ بتا کر تو جانا چاہیے۔"

ماں نے کہا "میں نے تمام سہیلیوں کے گھروں میں فون کیا' پتا چلا تم ان کے پاس نہیں گئی ہو۔ آخر کہاں گئی تھیں؟"

"آپ لوگ اتنے سوالات کیوں کر رہے ہیں۔ میں کوئی کنواری لڑکی تو نہیں ہوں' شادی شدہ ہوں' اپنے شوہر کے گھر سے آئی ہوں۔ آپ لوگوں کو بُرا لگ رہا ہے تو میں واپس چلی جاتی ہوں۔"

باپ نے کہا "بیٹی' یہ بات نہیں ہے۔ تم کہیں بتائے بغیر چلی جاتی ہو تو ہم پریشان ہو جاتے ہیں۔ ویسے بھی تم پریشانی کی زندگی گزار رہی ہو۔ تمہارے لیے ہم نے جو سنہرے خواب دیکھے تھے۔ وہ علی سردار نے سارے کے سارے چکنا چور کر دیے۔ کتنے ہی افسران معمولی تنخواہ پاتے ہیں لیکن شاہی زندگی گزارتے ہیں۔"

"ڈیڈی' میں اسی کوشش میں لگی ہوئی ہوں اور جلد ہی کامیابی کی توقع ہے۔"

"ہاں' یہ تو بتانا بھول ہی گیا تھا کہ علی سردار نے فون کیا تھا۔"

وہ چونک کر بولی "کہاں سے فون کیا تھا؟"

"وہ بتا رہا تھا کہ لاہور میں ہے اور تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

"کیوں بات کرنا چاہتا ہے۔ ویسے تو بڑی اکڑ دکھاتا ہے۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ماں کے پاس آکر بیٹھ گئی پھر بولی "مجھے اپنے رویے میں تبدیلی کرنی ہوگی۔ ذرا نرم پڑنا ہوگا۔ میں کل صبح ہوتے ہی علی سردار کے گھر چلی جاؤں گی۔"

اس کے والدین ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ بیٹی کیا کرنے والی ہے اور نہ ہی اس سے پوچھ سکتے تھے۔ وہ اسے بچپن سے جانتے تھے' دل میں کوئی بھید ہو تو وہ کسی کو نہیں بتایا کرتی تھی۔

○☆○

علی سردار دوسرے دن گیارہ بجے لاہور سے واپس آیا۔ اپنے مکان کے برآمدے میں پہنچ کر اسے کسی تبدیلی کا احساس ہوا' اس نے ذرا سونگھا تو پتا چلا کہ کھانے کی خوشبو آرہی ہے۔ وہ برآمدے سے اتر کر مکان کی دوسری طرف سے گھوم کر ادھر آیا جدھر کچن تھا۔ اس نے ذرا جھانک کر دیکھا' حشمت خانم کھانا پکانے میں مصروف تھی۔ وہ مسکرانے لگا۔ وہاں سے پلٹ کر واپس آکر اس نے کال بیل کا بٹن دبایا۔ دوسری بار بٹن دبانے کے بعد دروازہ کھلا۔ حشمت خانم نے اسے دیکھ کر منہ پھیرتے ہوئے کہا "جب آپ کے پاس دروازے کی چابی ہے تو بیل بجانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں دور ہی سے تمہاری خوشبو سونگھ لیتا ہوں۔ میں نے سمجھ لیا تھا کہ تم واپس آگئی ہو۔ لہٰذا دروازہ اندر سے کھول سکتی ہو۔"

وہ پلٹ کر پھر کچن کی طرف جانے لگی۔

"کیا خوب ادا ہے۔ ناراض رہتی ہو مگر میرا گھر سنبھالتی ہو۔"

وہ کچن میں داخل ہوتے ہوئے بولی "یہ نہ بھولیں کہ اس گھر کو چھوڑ بھی دیتی ہوں۔ اپنے میکے چلی جاتی ہوں۔"

"بھئی' ہر انسان اپنی پیدائش کی جگہ پر بار بار جاتا ہے لیکن موت کی جگہ صرف ایک بار جاتا ہے۔"

"یہاں موت کا ذکر کیوں آگیا؟"

"جب بھی پیدائش کا ذکر ہو تو موت کو نہیں بھولنا چاہیے۔ بائے داوے محبت سے واپس آئی ہو تو محبت سے مسکراتی بھی رہا کرو۔"

"میری یکطرفہ محبت سے کیا ہوتا ہے۔ میں نے آپ سے محبت کرکے کیا پایا ہے؟ کبھی آپ نے میری محبت کا جواب محبت سے دیا ہے؟"

"اوہ گاڈ! تم پھر وہی پرانا تذکرہ چھیڑنے والی ہو کہ گھر میں یہ نہیں ہے' وہ نہیں ہے۔ ہم سرکاری بنگلے میں رہتے ہیں۔ ہمارے پاس کوٹھی نہیں ہے' کاریں نہیں ہیں۔ یا اللہ میں کیا کروں' تمہیں

کس طرح سمجھاؤں۔"

"مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ لمبے سفر سے آئے ہیں۔ جائیں غسل کریں، لباس تبدیل کریں، مجھے اپنا کام کرنے دیں۔"

وہ غسل کرنے چلا گیا۔ حشمت خانم پکانے کے دوران میں بار بار کبھی گھڑی کو اور کبھی ٹیلی فون کو دیکھ رہی تھی۔ تقریباً ایک بجے کھانا تیار ہو کر میز پر آگیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے۔ حشمت خانم کا دل اس خیال سے دھڑک رہا تھا کہ فون آئے گا بھی یا نہیں اور اگر آئے گا تو اس کے جواب میں علی سردار کا ردِ عمل کیا ہوگا؟

ایک بجنے میں جب پانچ منٹ رہ گئے، فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ اٹھنا چاہتی تھی۔ علی سردار نے فوراً ہی اٹھتے ہوئے کہا "بیٹھو بیٹھو، میرا کوئی دفتری فون ہوگا۔"

اس نے جا کر ریسیور اٹھایا پھر کہا "ہیلو...!"

دوسری طرف کی آواز سن کر وہ خوش ہو کر بولا "ارے! تم سارہ بول رہی ہو، خیریت سے ہو؟"

پھر وہ دوسری طرف کی باتیں سننے لگا۔ حشمت خانم ناگواری سے منہ بنا رہی تھی کیونکہ ایک بجنے والا تھا اور ضروری فون آنے والا تھا۔ وہ سارہ سے باتیں کرتا رہا پھر اس سے بولا "ہاں میں لاہور گیا ہوا تھا۔ اب واپس آیا ہوں۔ کل کسی وقت انکل سے ملنے آؤں گا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا پھر آکر کھانا کھانے لگا، حشمت خانم نے پوچھا "یہ سارہ کون ہے؟"

"بھئی میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ رئیس احمد صاحب نے میری پرورش کی، مجھے تعلیم دلوائی۔ آج مجھے اس قابل بنایا۔ یہ ان کے چھوٹے بھائی سعید احمد فردوسی کی بیٹی سارہ فردوسی ہے۔"

"اس کی عمر کیا ہے؟"

علی سردار نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا، سوچا پھر کہا۔ "اس کی عمر سات برس ہے۔"

"کیوں، سترہ برس نہیں ہے؟"

"اگر سترہ برس کہوں گا تو تمہارا کھانا حرام ہو جائے گا اور میں بھی سکون سے نہیں کھا سکوں گا۔"

وہ کچھ کھانا چاہتی تھی، اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ علی سردار نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا "آج تو کھانے کے وقت ہی گھنٹیاں بج رہی ہیں۔"

اس نے فون کے پاس آکر ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر "ہیلو" کہا اور دوسری طرف کی باتیں سننے لگا پھر پوچھا "کیا لندن سے کال ہے۔ کس کی کال ہے۔ ٹھیک ہے، آپ بات کرائیں۔"

وہ انتظار کرنے لگا۔ دوسری طرف سے ایک عورت کی آواز سنائی دی۔ وہ خود کو حشمت خانم کی کزن صائمہ کہہ رہی تھی۔ علی سردار نے کہا "حشمی! یہ تمہاری کسی سہیلی صائمہ کا فون ہے۔ لندن سے کال ہے" وہ جلدی سے اٹھ کر آئی پھر ریسیور کان سے لگا کر باتیں کرنے لگی۔ علی سردار اپنی جگہ آکر کھانا کھانے لگا۔ وہ کہہ رہی تھی "میں حشمت خانم بول رہی ہوں، مسز علی سردار بھئی۔ تم وہی صائمہ ہو یعنی میرے صداقت انکل کی بیٹی یعنی کہ امیر جان کی وائف؟"

اس نے دوسری طرف کی بات سنی پھر کہا "اوہ گاڈ! چار برس گزر گئے۔ خط لکھنا تو دور کی بات ہے، تم نے کبھی فون پر بھی مجھے یاد نہیں کیا۔ آج ایسی کیا بات ہوگئی کہ میری یاد آگئی۔"

وہ پھر کچھ سننے لگی، اس کے بعد بولی "خوش خبری..... بھئی کیسی خوشخبری ہے۔ اللہ تمہیں بہت ساری خوشیاں مبارک کرے۔"

وہ پھر دوسری طرف کی باتیں سننے کے بعد بولی "اوہ، تمہاری سالگرہ بھی ہے اور تمہارے میاں کو کروڑوں کا منافع بھی ہوا ہے۔ اس خوشی میں ایک گرینڈ پارٹی دے رہی ہو۔ بھئی میری طرف سے بہت بہت مبارک۔ اگر میں لندن میں ہوتی تو ضرور تمہاری پارٹی میں شریک ہوتی۔" وہ دوسری طرف کی بات سننے لگی پھر بولی "ارے نہیں یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ تم ہمارے لیے یہاں سے لندن کا ریٹرن ٹکٹ بھیجو گی۔ یعنی جانے کا بھی ٹکٹ، آنے کا بھی ٹکٹ۔ نہیں نہیں، دیکھو ایسی بات نہیں ہے، ہم لندن آسکتے ہیں لیکن بات یہ ہے کہ..."

وہ خاموش ہو کر سننے لگی پھر بولی "تم تو مجھے اپنی بات پوری کرنے نہیں دیتی ہو۔ میں مانتی ہوں کہ تم نے اپنی دوسری سہیلیوں کو بھی ٹکٹ بھیجے ہیں اور ان کے وہاں رہنے سہنے کے انتظامات بھی کئے ہیں لیکن میں مجبور ہوں۔ جب تک میں ان سے مشورہ نہیں کروں گی، اس وقت تک کوئی جواب نہیں دے سکوں گی۔"

وہ خاموش ہو کر سننے لگی پھر بولی "ہاں، وہ گھر میں موجود ہیں۔ ابھی ہم لنچ کر رہے ہیں۔ میں ان سے بات کرنے کے بعد ہی تمہیں پھر کال کروں گی۔"

وہ کچھ سننے کے بعد بولی "اچھا اچھا، میں کال نہیں کروں گی۔ تم ایک گھنٹے بعد خود مجھے کال کرنا۔ ویسے تمہاری ان خوشیوں کو دیکھ کر رشک آتا ہے۔ میں بہت خوش ہوں اور دل سے تمہیں مبارک باد دے رہی ہوں۔ ایک گھنٹے بعد پھر بات ہوگی۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا پھر واپس آکر علی سردار کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگی، کہنے لگی "آپ نے باتیں سنیں؟"

"ہاں، میں سن رہا تھا۔ کیا تمہاری سہیلی نے بتایا ہے کہ کس دن، کس تاریخ کو سالگرہ ہے؟"

"سات تاریخ کو ہے یعنی کہ لکی سیون، واقعی بہت لکی ہے۔ اب آپ کیا فرماتے ہیں؟"

"عجیب اتفاق ہے۔"

"اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"میں سرکاری ڈیوٹی پر دس تاریخ کو لندن جا رہا ہوں۔"
وہ خوشی سے اُچھل کر بولی "کیا سچ کہہ رہے ہیں؟"
"میں صرف تم سے یہ بات کہہ رہا ہوں ورنہ بہت ہی خفیہ مشن پر جا رہا ہوں۔ تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ یہ بات کسی کو معلوم نہ ہو۔"
"کسی کو معلوم نہیں ہوگی۔"
"تو پھر ایسا کرو کہ اپنی سہیلی سے کہو، وہ صرف تمہارے لیے ریٹرن ٹکٹ بھیج دے کیونکہ میں تو سرکاری خرچ ..... پر جاؤں گا اور انہی کے اخراجات پر ان کی دی ہوئی جگہ پر رہوں گا۔"
"لیکن سالگرہ تو سات تاریخ کو ہے۔"
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے، سہیلی تمہاری ہے۔ تمہیں اس کی خوشیوں میں شریک ہونا چاہیے۔ میں نہ ہوں تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں دس تاریخ کو وہاں آکر تمہاری سہیلی اور اس کے شوہر کو مبارک باد دوں گا۔"
وہ خوشی کے مارے کھانا چھوڑ کر دوڑتی ہوئی آکر اس سے لپٹ گئی پھر بولی "آج تو آپ نے میرا دل خوش کردیا ہے۔ شادی کے بعد پہلی بار اتنی بڑی بات مان رہے ہیں۔"
"اس میں ماننے کیا بات ہے اگر میں سرکاری ڈیوٹی پر نہ جاتا تو کبھی تمہاری سہیلی کے بھیجے ہوئے ٹکٹ پر سفر نہ کرتا، تم تو جانتی ہو میں اصولوں کا پابند ہوں۔ بہرحال اسی لیے میں کہہ رہا تھا کہ یہ ایک اتفاق کی بات ہے۔ تمہاری سہیلی کی سالگرہ بھی ہے اور مجھے اپنی ڈیوٹی پر بھی جانا ہے۔ ہم دونوں کا کام بن رہا ہے تو کیوں نہ ہم کچھ دنوں لندن کی سیر کرکے چلے آئیں۔"
وہ علی سردار کا ہاتھ تھام کر بولی "میری سمجھ میں نہیں آتا، میں کس طرح آج آپ پر قربان ہو جاؤں۔"
"سات تاریخ سے پہلے قربان نہ ہونا اور کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے، اسے کھاؤ کیونکہ تمہاری سہیلی کا فون بھی آنے والا ہے۔"
"آپ کھانے کی بات کررہے ہیں۔ ابھی پانچ دن باقی ہیں۔ ان پانچ راتوں میں مجھے نیند نہیں آئے گی۔"
"یہ تو بڑی تشویش زدہ بات ہے۔ تم اپنی سہیلی سے کہو کہ وہ کل ہی ٹکٹ بھیج دے اور تمہیں دو تین دن پہلے ہی بُلا لے۔"
"نہیں، میں آپ کو تنہا چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"
"تعجب ہے، کتنی بار تنہا چھوڑ کر میکے جا چکی ہو۔ لندن چلی جاؤ گی تو کیا فرق پڑے گا۔"
"آپ سچ کہہ رہے ہیں؟"
"ہاں، بھئی میرے وہاں پہنچنے تک تمہاری سہیلی تمہیں لندن کی بہت سیر کرا چکی ہوگی اور وہاں سیر و تفریح میں بھی جیسے اخراجات ہوتے ہیں، وہ میری جیب برداشت نہیں کرسکے گی۔"
وہ اپنی جگہ واپس آکر بیٹھ گئی پھر بولی "ابھی تو کھانے کو جی نہیں چاہ رہا ہے۔ میرا دل فون کی طرف لگا ہوا ہے۔ پتا نہیں صائمہ کب کال کرے گی؟"
کھانا ختم ہوگیا۔ ڈھائی بج گئے پھر تین بج گئے۔ وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ علی سردار نے کہا "بھئی کیوں پریشان ہوتی ہو۔ جب سہیلی نے بلایا ہے تو پھر وہ ضرور فون کرے گی۔ جب تک یہ کھانے کے جھوٹے برتن تو دھو ڈالو۔"
"میں برتن صاف نہیں کروں گی۔ جب دیکھو گھر کی ملازمہ جیسا کام کرتی رہتی ہوں۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ زندگی میں پہلی بار لندن جانے کا موقع مل رہا ہے تو آپ برتن صاف کرنے کو کہہ رہے ہیں۔ آپ کو تو میرے جذبات کا ذرا سا بھی احساس نہیں ہے۔"
اس کی بات ختم ہوتے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ ایک دم سے دوڑتے ہوئے کمرے سے نکلی پھر ڈرائنگ روم کی طرف فون اٹینڈ کرنے کے لیے چلی گئی۔
علی سردار اس دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔۔ جہاں سے وہ گزر کر گئی تھی پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر الماری کے پاس آیا، اسے کھول کر اس کے اندر سے ایک البم نکالی پھر ایک جگہ بیٹھ کر اس میں لگائی ہوئی مختلف تصویروں کو دیکھنے لگا۔ ڈرائنگ روم سے حشمت خانم کی باتیں کرنے کی آوازیں آرہی تھیں اور وہ خوش ہو ہو کر بولتی جارہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد باتیں کرنے کی آوازیں ختم ہوگئیں۔ وہ دوڑتی ہوئی کمرے میں آکر علی سردار سے لپٹ کر بولی۔
"سارا معاملہ ڈن ہوگیا ہے۔ کل میرے لیے ٹکٹ آجائے گا۔ کیا میں چلی جاؤں؟"
"بھئی، جب کل کا ٹکٹ ہے تو کل ہی جانا ہے۔ میرے ساتھ جانا چاہو گی تو وہ ہوائی جہاز ہمارے... لیے دس تاریخ تک نہیں رکے گا۔"
وہ ہنسنے لگی پھر البم کو دیکھ کر بولی "یہ آج تصویریں کیوں دیکھ رہے ہیں؟"
"جب تم نے اپنی سہیلی صائمہ کے شوہر کا نام امیر جان بتایا تو مجھے کچھ یاد آنے لگا۔ یہ دیکھو کیا یہی امیر جان ہے؟"
وہ بولی "ہاں ہے تو یہی کیونکہ اس کے ساتھ صائمہ دلہن بنی ہوئی ہے۔ میں اس کی شادی میں نہیں گئی تھی نہ ہی اس کے دولہا امیر جان کو دیکھا ہے لیکن آپ اس کی تصویر کیوں دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں کیا پھر کوئی جاسوسی کا ارادہ ہے؟"
"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے کچھ شبہ ہوا تھا لیکن تصویر دیکھنے کے بعد شبہ دور ہوگیا ہے۔ یہ لوگ بہت اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ تم ہنسی خوشی جاؤ۔"
وہ خوش ہو کر بولی "آج ہم رات کا کھانا باہر کھائیں گے۔"
"پھر وہی فضول خرچی۔"
"میں آپ کی جیب سے ایک پیسہ بھی خرچ ہونے نہیں دوں گی۔"

"پھر تم کہاں سے آئے گی؟"

"میں عورت ہوں اور ہر گھر کی عورت اپنے گھریلو اخراجات میں سے کچھ نہ کچھ بچا کر رکھتی ہے۔ میں نے اب تک بارہ سو روپے بچائے ہیں۔"

"اور یہ بارہ سو روپے یونہی ضائع کر دو گی۔"

"پلیز آپ کنجوسی نہ کریں میری خوشی کا خیال کریں۔ آج میں آپ کو کسی اچھی جگہ ڈنر کراؤں گی اور وعدہ کرتی ہوں پانچ، چھ سو روپے سے زیادہ خرچ نہیں کروں گی۔"

علی سردار نے ہاں کے انداز میں سرہلا دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بیگم آج آئی ہے تو پھر روٹھ کر میکے چلی جائے۔

سارہ فردوسی نے اپنے موبائل کے نمبر پنچ کیے پھر اسے کان سے لگایا، رابطہ ہونے پر دوسری طرف سے علی سردار کی آواز سنائی دی وہ بولی "آپ نے آج یہاں آنے کا وعدہ کیا تھا، میں کب سے انتظار کر رہی ہوں۔"

علی سردار نے کہا "مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ بس کچھ دیر ہو رہی ہے۔ میں یہاں ائرپورٹ پر ہوں۔ میری وائف لندن جا رہی ہیں انہیں سی آف کر کے ابھی آ رہا ہوں۔"

"تو پھر آپ خود نہ آئیں، میں ائرپورٹ آ رہی ہوں اس طرح آپ کی وائف کو بھی دیکھ لوں گی اور آپ کو اپنی گاڑی میں بھی لے آؤں گی۔ یہ ٹھیک رہے گا؟"

"ہاں چلو یونہی صحیح۔"

علی سردار نے فون بند کیا۔ حشمت خانم نے کہا "توبہ ہے آپ مجھے رخصت کرنے آئے ہیں تب بھی دفتر والے آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔"

"یہ کوئی دفتری فون نہیں تھا۔ سارہ نے فون کیا تھا۔ وہ اپنی گاڑی لے کر آ رہی ہے۔ مجھے یہاں سے لے جائے گی اور تمہیں بھی دیکھنا چاہتی ہے۔"

"کیا بات ہے، آج کل یہ سارہ آپ کو بہت فون کر رہی ہے؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا۔ تم عورت ہو تم سمجھ سکتی ہو۔ میں تو صرف اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔"

"جی ہاں، خوب ڈیوٹی دے رہے ہیں اسی لیے عورتیں اپنے شوہروں کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ ان کے ساتھ لگی رہتی ہیں۔"

"تمہیں بھی یہی کرنا چاہیے۔ لندن جانے کا ارادہ چھوڑ دو میرے پیچھے پڑی رہو۔"

"آپ کو تو میرا لندن جانا بُرا لگ رہا ہے۔ زندگی میں پہلی بار موقع ملا ہے تو آپ باتیں بنا رہے ہیں۔"

"دیکھو، تم نے خود ہی بات چھیڑی تھی۔ میں نے اس کا جواب دیا ہے۔ بہرحال اس موضوع کو چھوڑو۔ دوسری باتیں کرو۔"

وہ ناگواری سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد سارہ وہاں پہنچ گئی۔ اس نے حشمت خانم کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا "آپ ہی مسز علی سردار ہیں؟"

وہ اٹھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے بولی "جی ہاں ان کے ساتھ بیٹھی ہوں تو انہی کی وائف ہوں کوئی اور تو نہیں ہو سکتی۔"

سارہ نے مسکرا کر کہا "جب آپ یہاں سے رخصت ہو جائے گی تو یہ میرے ساتھ کار میں بیٹھ کر جائیں گے۔ کیا دنیا والے آپ کے نظریے سے مجھے اور علی سردار کو دیکھیں گے۔ بائے دا وے اناؤنسمنٹ ہو رہی ہے اب آپ میاں بیوی بچھڑنے والے ہیں۔ تنہائی ضروری ہے لہٰذا میں واپس اپنی کار میں جا رہی ہوں۔ وہیں آپ کے شوہر نامدار کا انتظار کروں گی۔"

وہ پلٹ کر جانے لگی۔ علی سردار نے ناگواری سے کہا "حشمی! تم بہت اونچے خواب دیکھتی ہو لیکن سلیقے سے گفتگو کرنا بھی نہیں جانتیں۔ اگر بیوی ہو تو تم دوسرے انداز میں بھی اپنے آپ کو میری شریکِ حیات کہہ سکتی تھیں۔ آخر تم نے اس کا کھرا جواب سن لیا نا! اونچی سوسائٹی کے خواب دیکھنا آسان ہے لیکن خود کو اونچی سوسائٹی کے قابل بنانا مشکل ہے۔"

"آپ تو اس کی وکالت کریں گے۔ ویسے آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ کو لاکھوں کروڑوں ڈالرز اور پاؤنڈز کے ذریعے بھی نہیں خریدا جا سکتا۔ آپ مجرم کو اس کے انجام تک پہنچا کر رہتے ہیں۔ آج سمجھ میں آیا کہ آپ کیوں نہیں خریدے جا سکتے۔ ضرورت ہی کیا ہے۔ جب ایک رئیس زادی آپ کے پیچھے بھاگ رہی ہے۔"

"کیا اسی جلے کٹے انداز میں رخصت ہونا چاہتی ہو؟"

وہ بات کو بگاڑنا نہیں چاہتی تھی۔ آگے کیا ہونے والا ہے اسے معلوم تھا اس لیے مسکرا کر بولی "سوری، اب واقعی رخصتی کا وقت ہو چکا ہے۔ مجھے اجازت دو۔"

اس نے پھر اس سے مصافحہ کیا پھر سامان کی ٹرالی لے کر آگے بڑھ گئی۔ اپنا پاسپورٹ دکھا کر اندر گئی۔ علی سردار شیشے کے باہر سے دیکھتا رہا۔ جب وہ بورڈنگ کارڈ لے کر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ عمارت سے باہر نکل آیا۔ سارہ کی کار کا اگلا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے بولا "مجھے افسوس ہے میری وائف نے تم سے مل کر کوئی اچھا تاثر نہیں دیا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی "آپ کے آجانے سے تاثر بدل گیا ہے۔"

اس نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ علی سردار نے کہا "سارہ تمہارے بڑے ابو نے جتنے احسانات مجھ پر کیے ہیں۔ میں کبھی بھلا نہیں سکوں گا اور اسی حوالے سے تمہیں خوش رکھنے کے لیے فون پر بات کرتا ہوں اور تمہارے ساتھ بیٹھ کر کار میں جا رہا ہوں ورنہ تم سمجھ دار ہو۔ یہ سمجھ سکتی ہو کہ دنیا والے کیچڑ اچھالنے میں دیر نہیں کرتے۔"

"میں دنیا والوں کی پروا نہیں کرتی۔ ایک بات سمجھ میں نہیں

آئی کہ میں نے کہانیوں میں پڑھا ہے' فلموں میں دیکھا ہے' کبھی ہیروئن کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ میرے ہیرو میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ شاید یہ اس لیے نہیں لکھا جاتا یا فلمایا جاتا کہ مشرقی لڑکی کو باحیا بتایا جاتا ہے لیکن میں یہ سب نہیں مانتی۔ میں پوری صاف گوئی سے کہتی ہوں کہ تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔"

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر بولا "یہ کیسی بات کررہی ہو۔ اگر تمہارے ابو بڑے ابو کو معلوم ہوا تو وہ میرے متعلق کتنی غلط رائے قائم کریں گے۔"

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے' میں ان دونوں سے یہ بات صاف صاف کہہ چکی ہوں۔"

"تم.... تم بہت ہی بچوں جیسی باتیں کررہی ہو۔"

"اگر یہ بچوں جیسی باتیں ہیں تو انتظار کریں۔ جب آپ کی نظروں میں جوان ہوجاؤں گی تب شادی کروں گی لیکن آپ ہی سے کروں گی۔ ورنہ ساری عمر آپ کا انتظار کرتی رہوں گی۔"

وہ کھڑکی سے کہنی ٹکا کر اپنا سر تھام کر باہر دیکھنے لگا پھر تھوڑی دیر بعد پلٹ کر بولا "تمہارے بڑے ابو بتا رہے تھے کہ تم کچھ ایب نارمل ہو۔ کیا کسی ماہر نفسیات سے رجوع کیا ہے؟"

"میرے ماہر نفسیات آپ ہیں۔"

"اوہ گاڈ! کیا یہ بات تمہارے دماغ سے نہیں نکل سکتی کہ انسان مرنے کے بعد پھر اس دنیا میں جنم لیتا ہے۔"

"بھارت کی آبادی سو کروڑ سے زیادہ ہے' کیا یہ سو کروڑ لوگ اتنے بے وقوف ہیں کہ مرجانے والے کو کبھی نہ کبھی دوسرا جنم لیتے ہوئے دیکھتے ہیں اور یہی بات ... میں کہتی ہوں تو ایب نارمل کہلاتی ہوں۔ کیا پورا بھارت ایب نارمل ہے؟"

"لعنت ہے ڈش انٹینا پر' کیا تم ایسے بے تکے ڈرامے دیکھنا نہیں چھوڑو گی؟"

"میں آپ سے کہوں سراغ رسی چھوڑ دیں تو کیا چھوڑ دیں گے؟"

"یہ میرا پیشہ ہے۔"

"اور یہ میری بچپن کی عادت ہے۔ مجھے ایسی فلموں سے اور ایسی کتابوں سے بہت زیادہ دلچسپی ہے۔"

"تو پھر یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ جب تک تم ایسی فلمیں ڈرامے دیکھنا نہیں چھوڑو گی اور ایسے خیالات کو اپنے دماغ سے نوچ کر نہیں پھینکو گی' تمہارا کوئی فون اٹینڈ کروں گا اور نہ ہی اپنی صورت دکھاؤں گا۔"

"آپ تو شادی سے پہلے ہی حکم چلا رہے ہیں۔"

وہ حیرانی سے بولا "یہ شادی کہاں سے آگئی۔ میری تو ایک بیوی ہے۔"

"وہ ابھی بیوی ہے لیکن بیوہ ہوجائے گی۔ اس کے بعد آپ دوسرا جنم لیں گے تو وہ آپ کی بیوی نہیں رہے گی۔"

علی سردار نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا "بس بہت ہوگیا گھر چلو وہاں میں تمہیں چھوڑ دوں گا پھر تمہارے بڑے ابو سے مل کر چلا جاؤں گا۔"

وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتی رہی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی ننھی منی سی بچی روٹھ گئی ہو پھر وہ بولی "اچھا اگر میں ایسے ڈرامے نہ دیکھوں' فلمیں نہ دیکھوں' ایسی کتابیں نہ پڑھوں تو آپ مجھ سے ملیں گے نا؟ مجھ سے فون پر بات کریں گے نا؟"

"ہاں' اگر تم سچے دل سے وعدہ کرو کہ ایسے فضول خیالات دماغ سے نکال دوگی تو میں تم سے فون پر باتیں کروں گا اور ملاقاتیں بھی کروں گا۔"

وہ خوش ہوگئی۔ علی سردار نے کہا "تم تو ایسے خوش ہورہی ہو جیسے بچپن سے پڑی ہوئی عادت پل بھر میں تمہارے دماغ سے نکل گئی ہو۔"

"بچپن کی عادت کی ایسی کی تیسی وہ نکلی ہو یا نہ نکلی ہو' اتنا میں جانتی ہوں جو ہونا ہے' وہ ہوکر ہی رہے گا اس لیے بہتر ہے کہ میں آپ کی باتیں مان لوں اور جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی کرتی رہوں گی۔ کبھی ایسی باتیں نہیں سوچوں گی جو آپ کے اور بڑے ابو کے مزاج کے خلاف ہوں۔"

اس نے ایک اوپن ریستوران کے سامنے کار روک دی پھر وہ دونوں ایک میز کے اطراف آکر بیٹھ گئے۔ کچھ سینڈوچز اور چائے کا آرڈر دیا پھر وہ بولی "کیا آپ ہمیشہ مصروف رہتے ہیں؟"

"کوئی ضروری نہیں ہے لیکن جب کوئی بہت بڑا کیس الجھا دیتا ہے تو مصروفیات بڑھ جاتی ہیں۔ ویسے آج کل فری ہوں۔"

"پھر تو اچھی بات ہے ہم صبح و شام مل سکتے ہیں۔"

"شاید نہیں مل سکتے۔"

"کیوں؟"

"میں دس تاریخ کو سرکاری ڈیوٹی پر لندن جاؤں گا۔"

وہ مایوس ہوگئی کچھ سوچنے لگی۔ جب ویٹر نے ان کے سامنے سینڈوچز لا کر رکھے اور پھر چلا گیا تو وہ بولی "ایک آئیڈیا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میں بھی آپ کے ساتھ لندن چلوں گی۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ میں سرکاری ڈیوٹی پر جارہا ہوں۔"

"میں آپ کے ساتھ جاؤں گی تو کیا سرکار کو اعتراض ہوگا؟"

"تم سمجھتی نہیں ہو' میں کیسے سمجھاؤں؟"

"اس میں سمجھانے کی کیا بات ہے۔ کیا ہوائی جہاز اتنا چھوٹا ہوگا کہ میرے لیے جگہ نہیں نکلے گی یا آپ کے دل میں جگہ نہیں ہے۔"

اس نے سارہ کو دیکھا پھر نظریں چرالیں' دل میں چور تھا' اگرچہ شادی شدہ تھا اور بیوی سے بیزار تھا پھر بھی وہ بے ایمانی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ایک ایسی لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا جو

اس سے دس برس چھوٹی ہو لیکن... اتنا سنجیدہ اور ڈیوٹی کے معاملے میں فرض شناس ہونے کے باوجود زندگی میں پہلی بار سارہ میں کشش محسوس کر رہا تھا۔ سوچتا تھا کہ یہ کیوں اچھی لگتی ہے' کیوں اس کی طرف دل کھنچا جاتا ہے۔ میں تنہائی میں کبھی کبھی اس کے بارے میں کیوں سوچتا ہوں؟ اپنے کام کے بارے میں سوچنا کیوں بھول جاتا ہوں؟

بات صرف اتنی سی تھی کہ جوانی کی ابتدا سے علم حاصل کرنے اور سراغ رسانی کی تربیت حاصل کرنے سے فرصت ہی نہیں ملا کرتی تھی اس لیے کبھی کسی نوخیز حسینہ سے رومینس کرنے کا بھی موقع نہیں ملا' پھر اچانک ہی حشمت خانم اس کی زندگی میں ایسے آگئی جیسے کوئی راستے میں پڑی ہوئی چیز مل جاتی ہے۔ اچانک ملاقات ہوئی تھی اور جب حشمت خانم کو معلوم ہوا کہ وہ انٹیلی جینس کا ایک آفیسر ہے۔ تو بس وہ اس سے شادی کر بیٹھی .... علی نے بھی ایک گھر بسانے کے لیے شادی کرلی۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ بڑے بڑے خواب دیکھ کر اس کی زندگی میں آئی تھی اور اس کے وہ خواب چکنا چور ہو رہے تھے۔

اب جبکہ زندگی کے اٹھائیس برس گزر چکے تھے کہ اچانک ہی سارہ اس کی زندگی میں آگئی اور یوں اس کے پیچھے پڑگئی تھی کہ اس کے وہ خوابیدہ جوانی کے لمحات آنکھیں کھولنے لگے تھے۔ رومینس کا جو صحیح وقت تھا' وہ گزر چکا تھا پھر بھی وہ صبح سویرے نہیں جاگتے' وہ دن چڑھے جاگ جاتے ہیں۔ بس علی سردار کے ساتھ بھی یہی تھا کہ کافی وقت گزرنے کے بعد اب وہ اندر سے جاگ رہا تھا۔

اب وہ سارہ فردوسی سے صبح اور شام دو وقت ملاقاتیں کرنے لگا' اپنی ڈیوٹی بھی کر رہا تھا اور زندگی کے گمشدہ لمحات بھی سارہ میں تلاش کر رہا تھا۔ جب سات تاریخ ہوئی تو سارہ نے کہا ''آج تو تمہاری وائف کی سہیلی کی سالگرہ ہوگی وہاں جشن منایا جارہا ہوگا۔''

''میں کیا جانوں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ البتہ اتنا جانتا ہوں جہاں خوشیاں ہوتی ہیں' وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں۔''

سارہ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر پوچھا ''اس بات کا مطلب کیا ہوا؟''

''بھئی مطلب کیا ہو سکتا ہے' میں نے تو ایک سنی سنائی بات کہی ہے اور یہ سچ بھی ہے کہ ہمیشہ انسان کی زندگی میں خوشیاں نہیں رہتیں۔ ماتم بھی ہوتے ہیں اور ہمیشہ ماتم نہیں ہوتے۔ خوشیاں بھی ملتی رہتی ہیں۔''

دوسرے دن وہ سارہ کے ساتھ مری کی طرف سیر کرنے گیا وہاں کے خوب صورت علاقوں میں گھومتا پھرتا رہا اور سارہ اپنی عمر کے مطابق رومانی گفتگو کرتی رہی۔ ایسے وقت موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے فون نکال کر اسے آن کیا پھر کان سے لگا کر پوچھا۔

''ہیلو! کون؟''

دوسری طرف سے حشمت خانم کی آواز سنائی دی' وہ کہہ رہی تھی ''بھئی' سات تاریخ کو تو مزہ آگیا۔ خوب جشن منایا گیا۔ آج آٹھ تاریخ ہے اور کل تو پرسوں تم لندن آرہے ہو نا!''

''میں تمہیں فون کرنے ہی والا تھا۔ اچھا ہوا تم نے کرلیا۔ میرا پروگرام بدل گیا ہے۔ میں نہیں آؤں گا۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہو؟''

''بھئی جس سرکاری کام سے میں لندن جارہا تھا' وہ کام ہوچکا ہے۔ جس مجرم کو شناخت کرنا تھا اور اس کے بعد گرفتار کرنا تھا' وہ کام یہیں بیٹھے بیٹھے ہوگیا۔''

''کیسے ہوگیا؟''

''وہ جو الماری میں تمہاری البم رکھی ہوئی ہے' اس میں تصویریں دیکھ کر مجرم کا سراغ مل گیا۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہو؟''

''وہی جو حقیقت ہے' وہ جو تمہاری سہیلی کا شوہر امیر جان ہے وہ بہت بڑا اسمگلر ہے اور بہروپیا بھی۔ میں نے اس کی تصویر کو دیکھ کر پہچان لیا تھا اور اسی کے مطابق جب میں نے یہاں سے ایکشن لیا تو اسے ٹھیک سات تاریخ کو سالگرہ کے دن گرفتار کرلیا گیا۔ تعجب ہے تمہیں اس کا علم نہیں ہے جبکہ تم کہہ رہی ہو کہ سات تاریخ کو جشن منایا گیا ہے۔''

تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ وہ کان سے فون لگائے غور سے سنتا رہا۔ پتا چلا کہ دوسری طرف سے فون بند کردیا گیا ہے۔ وہ زیر لب مسکرانے لگا۔ سارہ نے پوچھا ''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں' وہاں فون میں شاید کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے۔ ابھی بات ہو سکتی ہے۔''

اور اصل بات یہ تھی کہ حشمت خانم اپنی کسی سہیلی اور اس کے شوہر امیر جان کے ہاں نہیں گئی تھی بلکہ وہاں ایک ڈراما پلے کیا گیا تھا۔ وہ کسی دوسری جگہ پر تھی۔ اسے پتا ہی نہیں تھا کہ امیر جان کا بزنس کیا ہے اور وہ اتنا دولت مند کیسے ہے؟ جب فون پر اس نے علی سردار سے اس کی گرفتاری کی خبر سنی تو چکرا کر رہ گئی ایسا لگا کہ اب بھید کھلنے لگا ہے اسی لیے اس نے فون بند کردیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد پھر فون کا بزر بجا' اس نے بٹن آن کرکے اسے کان سے لگایا۔ پھر کہا ''ہیلو! میں علی سردار بول رہا ہوں۔''

''میں حشمت خانم ہوں۔ دراصل اس فون کی بیٹری ختم ہوچکی تھی اس لیے رابطہ ٹوٹ گیا تھا۔ ابھی میں دوسرے فون سے بات کر رہی ہوں۔ تم نے ابھی فون پر جو کچھ کہا' اسے میں فون پر نہیں کہہ سکتی تھی۔ جن کے ہاں مہمان ہوں ان کے یہاں سے ایسی باتیں کرنا مناسب نہیں تھا۔ یہ درست ہے کہ یہ سب کچھ ہوا ہے لیکن امیر جان کی پہنچ بہت اوپر تک ہے۔ اس نے جاتے جاتے بھی کہا۔ میری فکر نہ کی جائے سالگرہ کا جشن جاری رہے۔ میں کل تک واپس آجاؤں گا اور آپ دیکھیے گا واقعی وہ بڑا جی دار ہے اور

بڑے وسیع ذرائع کا مالک ہے۔ آج شام تک اسے رہائی مل جائے گی۔"

"تم میری شریکِ حیات ہو کر یہ بھول جاتی ہو کہ جسے علی سردار گرفتار کرا دے۔ اس کی رہائی ممکن نہیں ہوتی' خواہ اس کی پہنچ اوپر سے اوپر اور اوپر سے اوپر اللہ میاں تک ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی ایسوں کو معاف نہیں کرتا۔ بہتر ہے جتنی جلدی ہو سکے واپس چلی آؤ۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں' میری سہیلی بہت اداس ہے اور میں اسے ایسی حالت میں چھوڑ کر چلی آؤں' یہ مناسب نہیں ہے۔ امیر جان کو واپس آنے دیجیے۔ اس کے دوسرے دن ہی میں چلی آؤں گی۔"

"ٹھیک ہے اسی خوش فہمی میں رہو کہ اسے رہائی مل جائے گی۔"

اس نے اپنا فون بند کر کے جیب میں رکھ لیا۔ سارہ خوش ہو کر بولی "اس کا مطلب ہے کہ آپ دس تاریخ کو لندن نہیں جا رہے ہیں۔"

"ہاں' نہیں جا رہا ہوں۔ تمہارے ساتھ اور کچھ دن آزادی سے گزار لوں گا۔"

"آپ بہت ہی عجیب و غریب اور باکمال انسان ہیں۔ آپ نے یہاں بیٹھے بیٹھے ہی لندن میں جشن منانے والے مجرم کو گرفتار کرا دیا۔"

دوسری طرف لندن کے ایک اپارٹمنٹ میں حشمت خانم نے غصے سے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا پھر سامنے کھڑے ہوئے کے ملہوترا کو دیکھا اسی کے ملہوترا کو جو پلاسٹک سرجری کے ذریعے علی سردار کا ہم شکل بن چکا تھا۔ اسی کی طرح قد آور اور جسامت رکھنے والا شخص تھا' اس نے بھی اسکاٹ لینڈ یارڈ سے تربیت حاصل کی تھی اور وہ بلا کا نقال تھا۔ کسی کی بھی تحریر اور دستخط کی نقل ایسے کرتا تھا کہ کوئی بہت بڑا ماہر ہی اسے پکڑ سکتا تھا۔

اس نے غصے سے میز پر ہاتھ مار کر کہا "شٹ' ہم نے سوچا تھا وہ یہاں آئے گا تو اسے ہلاک کر دیا جائے گا پھر میں اس کی جگہ علی سردار بن کر تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ اس نے سارا کھیل بگاڑ دیا ہے بلکہ اس نے نہیں' تم نے بگاڑا ہے۔"

وہ بولی "مجھے کیوں الزام دے رہے ہو؟"

"تم نے ہی کہا تھا تمہاری ایک سہیلی صائمہ ہے۔ اس کے شوہر کا نام امیر جان ہے۔ ہم نے اسی کے مطابق صائمہ اور امیر جان کا ڈراما یہاں پلے کرنا چاہا تھا' کیا تم اتنا بھی نہیں جانتی تھیں کہ تمہاری سہیلی کا شوہر ایک بہت بڑا اسمگلر ہے۔ جسے انٹرپول والے بھی تلاش کر رہے ہیں۔"

"اگر میں جانتی تو ایسی غلطی نہ کرتی۔ بہرحال اب تو میں نے فون پر بات بنا دی ہے۔۔۔اور تسلیم کر لیا ہے کہ اسے سالگرہ کے دن گرفتار کرا لیا گیا تھا لیکن جشن جاری رہا تھا اور وہ یہ دعویٰ کرتے گیا ہے کہ دوسرے دن رہائی پا کر آ جائے گا۔"

"اب اس کا رہائی پانا بہت مشکل ہے۔ علی سردار نے اسے انٹرپول والوں کے حوالے کر دیا ہے۔ جہاں سے رہائی ممکن نہیں ہے۔ تم نہیں جانتیں اس کھیل میں ہمیں.....باریک سے باریک نکتے پر بھی غور کرنا پڑتا ہے اور اس پر عمل کرنا پڑتا ہے۔"

حشمت خانم نے پوچھا "جو کام لندن میں نہیں ہو سکا کیا وہاں نہیں ہو سکتا کیا وہاں اسے ہلاک نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں میرے تمام مطالبات پورے کر دو اور پھر فوراً چلو۔"

"ایک بنگلا تمہارے نام ہو چکا ہے۔ تمہارے نام ایک بینک میں اکاؤنٹ کھل چکا ہے۔ اب تمہارے لیے دو کاریں خرید کر دی جائیں گی۔ ہم پرسوں تک یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

وہ ریسیور اٹھا کر اپنے سینئر افسروں سے حشمت خانم اور علی سردار کے متعلق باتیں کرنے لگا اور کہنے لگا کہ اب پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلیاں کی جائیں گی۔

○☆○

حشمت خانم اس طرح لندن سے واپس آئی کہ علی سردار کو خبر نہ ہونے پائے کیونکہ اس کے پاس لندن والے بنگلے کے کاغذات تھے۔ وہاں کے بینک اکاؤنٹ کے سلسلے میں اور کاریں خریدنے کے سلسلے میں بھی اہم کاغذات تھے جنہیں چھپا کر رکھنا ضروری تھا۔ پھر وہ نقد پندرہ ہزار پاؤنڈ لے کر آئی تھی۔ اتنی بڑی رقم کا حساب بھی علی سردار کو نہیں دے سکتی تھی لہٰذا وہ ائرپورٹ سے سیدھی میکے آئی وہاں ماں باپ سے ملاقات کی پھر اپنے کمرے میں آکر الماری کھول کر اس کی دراز میں تمام اہم چیزیں رکھ دیں' اسے لاک کیا پھر الماری کے پٹ بند کر کے اسے بھی مقفل کر دیا۔

اس کے والدین کسی حد تک جانتے تھے کہ وہ علی سردار کو اپنی راہ پر لا کر دولت مند بننے والی ہے اور اس وقت بھی وہ لندن سے یہی کچھ کر کے آ رہی ہے لیکن اندر کے اہم راز اس کے والدین کو بھی معلوم نہیں تھے۔ بیٹی ان کے لیے قیمتی تحفے لے کر آئی تھی۔ ان تحفوں کو دیکھ کر ہی وہ سمجھ گئے تھے کہ حشمت خانم اپنے منصوبے میں کامیاب ہو رہی ہے۔ اس کے باوجود اس کے باپ نے کہا "بیٹی ہمیں بھی کچھ بتایا کرو کہ آخر تم کیا کر رہی ہو۔ تاکہ کسی وقت ہمیں بھی تمہاری حمایت میں کچھ کرنا پڑ جائے۔"

وہ بولی "آپ فکر نہ کریں میں جو کر رہی ہوں' اس میں صرف تنہا میرا رہنا ہی کافی ہے۔ آپ لوگ بالکل انجان بنے رہیں اور کبھی یہ ذکر نہ کریں کہ میں لندن سے آپ لوگوں کے لیے یہ تحفے لے کر آئی تھی۔ علی سردار کو ابھی معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ میں اپنے ذاتی اخراجات کے لیے بھی کافی دولت مند بنتی جا رہی ہوں۔"

ماں نے کہا "بیٹی ہم صرف ایک الجھن میں ہیں کہ علی سردار کو تمہارے دولت مند بننے کا علم نہیں ہے۔ تم نے اسے اپنا ہم مزاج

بنایا ہے پھر یہ سب کیسے حاصل ہو رہا ہے؟"
"ہر بات بتانے کا ایک مناسب وقت ہوتا ہے۔ میں جلد ہی بتا دوں گی کہ کس طرح علی سردار اچانک میرا ہم مزاج ہو جائے گا اور میں جو چاہوں گی وہ کرے گا۔ جس طرح دولت حاصل کرنے کے لیے اسے رشوت وغیرہ لینے پر مجبور کروں گی تو وہ میری بات مانتا جائے گا تب آپ کو معلوم ہو گا کہ علی سردار اب وہ نہیں رہا جو پہلے تھا اور جو پہلے تھا اب وہ نہیں ہے۔ یہ ایک معما ہے جو بعد میں آپ لوگوں کی سمجھ میں آئے گا۔"

باپ نے کہا "معما وہ ہوتا ہے جو سمجھ میں نہیں آتا۔ جسے سمجھنا پڑتا ہے اور اب ہم اتنے بوڑھے ہو گئے ہیں کہ زیادہ ذہانت سے کام لے کر نہیں سمجھ سکتے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تم لندن چلی گئیں اور علی سردار یہاں رہ گیا۔ تم نے کہا تھا وہ دس تاریخ کو تمہارے پاس لندن پہنچے گا لیکن پھر بھی وہ یہیں رہا، اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"ڈیڈی، معمولی سی بات ہے دراصل وہ سرکاری کام سے لندن جانے والا تھا وہاں جس مجرم کو گرفتار کرنے والا تھا، اس کی نشان دہی یہیں ہو چکی تھی۔ اس نے یہیں سے بیٹھے بیٹھے اسے انٹرپول والوں کے حوالے کر دیا ہے۔ لہٰذا اسے لندن نہیں جانا پڑا۔"

"بیٹی، تم کہہ رہی ہو تو ہم مان لیتے ہیں لیکن ایسا نہ ہو کہ تم کوئی دھوکا کھا جاؤ کیونکہ جو بات ہم سمجھ رہے ہیں، وہ شاید تم نہیں سمجھ رہی ہو۔"

"ایسی کون سی بات ہے؟"

"میں پچھلی آٹھ تاریخ کو مری گیا تھا۔ دفتر کا ایک ضروری کام تھا وہاں میں نے علی سردار کو ایک بہت ہی خوب صورت لڑکی کے ساتھ گھومتے پھرتے دیکھا۔ پہلے تو سوچا کہ یہ محض ایک اتفاق ہو گا۔ وہ کوئی دور کی شناسا لڑکی ہو گی لیکن ایسی شناسائی میں نے پہلے نہیں دیکھی۔ میں ان کے تعاقب میں رہا اور یہی دیکھا کہ وہ صبح سے شام تک سیر و تفریح کرتے رہے پھر شام کو وہ ایک بہت مہنگے ہوٹل میں گئے۔ ہوٹل اتنا مہنگا ہے کہ اس کے دو کپ چائے کی قیمت چوبیس روپے ہے۔ کیا تم نے علی سردار کو کبھی اتنی مہنگی چائے پیتے اور کسی کو پلاتے دیکھا ہے۔"

وہ بولی "اونہہ میں سمجھ گئی کہ وہ لڑکی کون ہے۔ آپ بتایئے اس کے بعد وہ کہاں گئے تھے؟"

"کہیں نہیں، میں تو ہوٹل کے باہر دور ایک جگہ کھڑا رہا، کبھی بیٹھا رہا، کبھی ٹہلتا رہا۔ اس طرح رات کے نو بج گئے دس بجے ہماری کمپنی کی گاڑی واپس اسلام آباد آنے والی تھی۔ میں نے ساڑھے نو بجے تک انہیں ہوٹل سے باہر آتے نہیں دیکھا اس کا مطلب ہے۔ انہوں نے وہ رات اسی ہوٹل میں گزاری ہو گی۔"

حشمت خانم کو حسد، جلن اور رقابت کے مارے غصے میں آنا چاہیے تھا۔ جھنجلانا چاہیے تھا۔ اپنے شوہر کے خلاف بولنا چاہیے تھا لیکن وہ زیرِ لب مسکرانے لگی۔ جس کے ساتھ آئندہ زندگی گزارنی ہی نہیں تھی، اس کے لیے جلنے، کڑھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ وہ شام کو اپنا سامان لے کر نکلی، ماں باپ سے کہا کہ علی سردار کے پاس جا رہی ہے پھر وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئی۔ شام کا وقت تفریح کے لیے ہوتا ہے۔ وہ سوچ رہی تھی جب میاں صاحب کو ایک جوان لڑکی کے ساتھ تفریح کے مواقع مل رہے ہیں تو شاید ہی وہ گھر پر ہو۔ جب وہ گھر کے سامنے ٹیکسی سے اتری تو واقعی کھڑکی دروازے مقفل تھے۔ اس نے اپنی چابی سے دروازہ کھولا پھر اندر آ گئی۔ وہاں سے اس نے فون کے ذریعے علی سردار سے رابطہ کیا۔ وہ حشمت خانم کی آواز سن کر چونکتے ہوئے بولا "تم... تم کہاں سے بول رہی ہو؟"

"میں، اسلام آباد آ چکی ہوں اور اپنے گھر میں ہوں۔ اپنے گھر کا مطلب میرا اور تمہارا گھر۔"

"تعجب ہے! تم نے اپنے آنے کی اطلاع کیوں نہیں دی۔"

"اس لیے کہ تمہاری عیاشی میں خلل پڑتا۔ بھئی کبھی تم نے مجھے کسی مہنگے ہوٹل میں کھانا نہیں کھلایا۔ کبھی پہاڑی علاقوں کی سیر نہیں کرائی، کوئی بات نہیں کسی دوسری کا دل تو رکھ رہے ہو۔ جب تم کو اس سے فرصت مل جائے تو گھر چلے آنا۔ میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"

علی سردار نے موبائل فون کو بند کر دیا۔ وہ ایک اسنیک بار میں تھا اس کے سامنے میز کی دوسری طرف سارہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بولی "اچھا تو تمہاری بیگم صاحبہ واپس آ گئی ہیں؟"

"ہاں! اور اچانک ہی آئی ہیں۔"

"یعنی اچانک آ کر تمہیں سرپرائز دینا چاہتی تھیں۔"

"ہاں، جاسوس کی بیوی ہے اس لیے جاسوسی قسم کا سرپرائز دیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس نے جانے سے پہلے میرے پیچھے جاسوس چھوڑ رکھا تھا۔ اسے سب پتا ہے کہ ہم کس طرح ملتے ہیں اور کہاں کہاں جاتے ہیں۔"

"اوہ.... آئی سی ہمارے پیار کا افسانہ اب حقیقت بن رہا ہے۔ مخالفت شروع ہو رہی ہے۔ محبت کی ہر کہانی میں مخالفت نہ ہو تو مزہ نہیں آتا۔"

"تم مزے لے رہی ہو اور میں الجھنوں میں پڑتا جا رہا ہوں۔ میں ایک جاسوس ہوں ہمیشہ دماغ سے کام کرتا آیا ہوں۔ پہلی بار تم نے ایسا دل لگایا ہے کہ میں ہزار کوشش کے باوجود تمہیں اب اپنے دل سے نہیں نکال سکتا۔ سوچتا ہوں انجام کیا ہو گا؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی "ابھی تو یہی ہو گا کہ گھر جاتے ہی تو تو میں میں شروع ہو جائے گی، بہتر ہے تم چلے ہی جاؤ۔ وہ بڑی بے چینی سے

انتظار کر رہی ہوں گی اور اندر ہی اندر تلملا رہی ہوں گی۔"

وہ سارہ سے رخصت ہو کر گھر کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں سوچتا رہا' حشمت خانم سے کیا کہے گا۔ ایک بیوی کی موجودگی میں کسی دوسری لڑکی سے دلچسپی لینا اور وہ بھی دیوانگی کی حد تک اس سے ملوث ہو جانا' یہ ایک مرد کی بددیانتی ہے اور بیوی پر ظلم ہے اب وہ جو بھی شکایت کرے گی' اس کی شکایتیں بجا ہوں گی۔ دنیا اس کی طرف داری کرے گی اور میں ایک مجرم کہلاؤں گا۔

وہ گھر پہنچا تو دروازہ لاکڈ تھا۔ اس نے اپنی چابی سے دروازے کو کھولا پھر اندر دیکھا۔ اسے باہر ہی سے پتا چل چکا تھا وہ ناراض ہو کر پھر میکے چلی گئی ہے۔ اس کی عادت تھی کہ پہلے لڑتی تھی۔ اس کے بعد گھر چھوڑ کر چلی جاتی تھی۔ آج اس نے لڑائی شروع کرنے سے پہلے ہی گھر چھوڑ دیا تھا۔

علی سردار کی نظریں سینٹرل ٹیبل پر گئیں۔ وہاں ایک پیپر ویٹ کے نیچے تہ کیا ہوا کاغذ رکھا ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کاغذ کو اٹھایا پھر اسے کھول کر دیکھا۔ حشمت خانم نے لکھا تھا....

"علی سردار میں روز روز کے جھگڑے سے تنگ آگئی ہوں۔ آخر یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا۔ اب تو یہ حقیقت کھل گئی ہے کہ تم مجھ سے بیزار ہو۔ کسی اور میں دلچسپی لے رہے ہو۔ میں نے سوچا اگر یہاں رہوں گی تو سوائے لڑائی جھگڑے کے اور چیخ و پکار کے اور کچھ نہیں ہوگا لہٰذا میکے جا رہی ہوں وہاں ٹھنڈے دماغ سے خود بھی سوچوں گی اور آج رات تمہیں بھی سوچنے کا موقع دوں گی۔ تم فون پر بتا دو کہ کل تمہاری ڈیوٹی کب ہے۔ ڈیوٹی سے فارغ ہونے کے بعد مجھ سے ملاقات کرو۔ ہم شاید آخری بار ملیں گے اور کوئی آخری فیصلہ کریں گے۔ فقط تمہاری نمائشی بیوی حشمت خانم۔"

اس نے خط پڑھنے کے بعد فون کا ریسیور اٹھایا۔ نمبر ڈائل کیے پھر رابطہ ہونے پر اسے حشمت خانم کے والد کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا "انکل' میں حشمی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"بیٹے وہ ناراض ہے بات نہیں کرے گی۔ صرف اتنا معلوم کرنا چاہتی ہے کہ کل تم اس سے کب ملاقات کرنا چاہتے ہو اور کہاں ملاقات کر سکتے ہو؟"

اس نے کہا "کل میری دن کی ڈیوٹی ہے۔ میں شام پانچ بجے تک فارغ ہو جاؤں گا۔ وہ چھ بجے یا تو یہاں آجائے یا پھر میں آپ کے گھر آجاؤں؟"

"نہیں بیٹے وہ چاہتی ہے کہ کسی ایسی جگہ ملاقات ہو جہاں تم دونوں کے سوا اور کوئی نہ ہو۔"

علی سردار نے کچھ سوچنے کے بعد کہا "ٹھیک ہے آپ اسے کہہ دیں کل شام چھ بجے میں شکر پڑیاں کے ریستوران میں اس کا انتظار کروں گا۔ اگرچہ وہاں تفریح کے لیے اچھے خاصے لوگ آتے ہیں لیکن وہاں تنہائی میں بیٹھ کر بھی بات کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ آپ اپنی صاحب زادی سے کہہ دیں کہ کل میں چھ بجے وہیں ریستوران میں انتظار کروں گا۔ شکریہ۔"

اس نے فون بند کر دیا پھر کچھ دیر تک سوچنے کے بعد اس نے ریسیور اٹھا کر سارہ فردوسی کے موبائل نمبر پنچ کیے۔ رابطہ ہونے پر کہا "میں' بول رہا ہوں اور اپنے گھر سے بول رہا ہوں۔"

"کیا وہاں تمہاری بیگم صاحبہ نہیں ہیں؟"

"خلافِ توقع نہیں ہے' وہ ایک خط چھوڑ گئی ہیں۔ خط میں لکھا ہے کہ وہ ہمیشہ کے جھگڑے سے تنگ آگئی ہے لہٰذا کل مجھ سے ملاقات کر کے آخری فیصلہ کرنا چاہتی ہے۔ میں نے اس کے گھر فون کیا تھا لیکن اس نے فون اٹینڈ نہیں کیا۔ اس کے والد نے کہا ہے کہ وہ بات کرنا نہیں چاہتی ہے۔ صرف ایک آخری ملاقات کر کے آخری فیصلہ کرنا چاہتی ہے۔"

سارہ نے کہا "معاملہ توقع سے کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے' وہ کیا فیصلہ کرنا چاہتی ہوگی؟"

"یہ تو خدا ہی جانتا ہے۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ کل شام کو چھ بجے شکر پڑیاں کے ریستوران میں اس کا انتظار کروں گا۔ ملاقات کے بعد ہی پتا چلے گا کہ وہ کیا آخری فیصلہ کرنا چاہتی ہے۔"

"اللہ کرے وہ تم سے علیحدگی اختیار کر لے۔ اس نے تمہاری زندگی حرام کر دی ہے۔"

"دوسرے پہلو سے سوچو' میں بھی ایک شادی شدہ ہو کر اس سے بددیانتی کر رہا ہوں پھر یہ کہ اس کے خواب پورے نہیں کرتا ہوں۔ وہ عیش و عشرت کی زندگی گزارنا چاہتی ہے اور میں اس قابل نہیں ہوں اب دیکھیں کل کیا ہوتا ہے۔"

"کل تک مجھے بڑی بے چینی رہے گی۔ وعدہ کرو کہ اس سے ملاقات کرنے کے بعد جیسے ہی موقع ملے گا' مجھے فون کرو گے' میں انتظار کروں گی۔"

"ٹھیک ہے میں تم سے فون پر بات کروں گا۔"

اس نے فون بند کر دیا' ادھر سارہ فون بند کرنے کے بعد اسے بستر پر پھینک کر اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔ سوچنے لگی کہ کسی طرح وہ راستے سے ہٹ جائے اور اس کا آئیڈیل اسے مل جائے' اس کا دل کہہ رہا تھا کہ حشمت خانم اس سے ضرور علیحدگی اختیار کر لے گی۔ کیونکہ وہ لالچی ہے کسی دولت مند شخص کو دیکھ کر دوسری شادی ضرور کرے گی۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔

کوئی سا بھی کام ہو' اچھا ہو یا برا ہو' اسے کامیابی سے نمٹانے کے لیے لازمی ہے کہ وقت کا اور منصوبے کے ایک ایک پہلو کا خیال رکھا جائے۔ حشمت خانم نے ایک بجتے ہی الماری سے موبائل فون نکال کر رابطہ کیا پھر انتظار کرنے لگی۔ دوسری طرف سے کے ملہوترا کی آواز سنائی دی۔ وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔

"ہیلو کون....؟"

"میرے سوا کون ہو سکتا ہے؟"

"اوہ! حشمت تم ہو۔"

"کتنی بار سمجھایا ہے کہ علی سردار کی طرح مجھے حشی کہا کرو۔ ابھی سے عادت ڈالو۔"

"ہاں بھول گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ میں تکلیف میں مبتلا ہوں۔"

"ہاں، میں نے کراہنے کی آواز سنی ہے، کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں، ایک حادثے میں ذرا زخمی ہوگیا تھا۔ اب ٹھیک ہوں ویسے کیا اس سے ملاقات ہوئی؟"

"ہاں، میں نے علی سردار کے بارے میں بہت کچھ معلوم کیا ہے وہ اسی سارہ فردوسی میں بہت دلچسپی لے رہا ہے۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ کل شام کو چھ بجے شکر پڑیاں کے ریستوران میں ملاقات کروں گی اور یہ ملاقات آخری ہوگی اور اس سے آخری فیصلہ کروں گی۔ یہ بہتر موقع ہے جو کرنا ہے کل ہی کر گزرو۔"

"ٹھیک ہے، ہم بھی جلد ہی یہ کام نمٹانا چاہتے ہیں۔ میں نے لندن سے آتے وقت تمہیں سمجھایا تھا کہ کس طرح تمہارے پاس ایک فون کال آئے گی اور اس کے مطابق تم علی سردار کو ایک جگہ سے دوسری جگہ چلنے پر مجبور کرو گی۔"

"مجھے سب یاد ہے۔ میں اپنے پروگرام کے مطابق پوری طرح عمل کروں گی۔ کل شام ٹھیک چھ بجے۔"

"ہاں، کل اس پار ہونا ہے یا اس پار ہونا ہے۔"

وہ بولی "اسے تو اس پار ہی ہونا ہے اور وہ ہوگا۔"

○☆○

علی سردار بھی اپنے پیشے کے مطابق مطمئن تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایک سراغ رساں جو منصوبے بناتا ہے اور اس پر پوری ذہانت اور توجہ سے عمل کرتا ہے تو کامیابی یقینی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی قدرت کو منظور نہ ہو تو اس ناکامی کو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔

حشمت خانم مجرموں کی صف میں تھی۔ ان مجرموں کا بھی کچھ ایسا ہی خیال تھا کہ اگر بھرپور سازش ہو، اس کے ایک ایک پہلو کو اچھی طرح سمجھ لیا گیا ہو پھر اس پر عمل کیا جائے تو کامیابی یقینی ہوتی ہے ورنہ جیل کے آہنی دروازے کھل جاتے ہیں۔

سارہ فردوسی نہ تو قانون کی محافظ تھی نہ مجرموں کی صف میں تھی۔ وہ تو محبت کی دیوانی تھی اور صرف علی سردار کے لیے سوچتی تھی۔ جب شام ہونے لگی تو اس کے دل میں کچھ عجیب عجیب سا ہونے لگا کیونکہ کئی شامیں اس کے ساتھ گزار چکی تھی۔ اب خود کو خالی خالی محسوس کر رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کرے۔

علی سردار نے وعدہ کیا تھا کہ اس سے فون پر بات کرے گا لیکن جب وہ اپنی بیوی سے ملے گا اس سے فیصلے کرے گا، تو پتا نہیں کتنی دیر لگے گی۔ کتنے گھنٹوں بعد وہ فون کرے گا اور وہ بے چینی اور اضطراب میں مبتلا رہے گی۔

پھر اس نے سوچا کیوں نہ میں بھی شکر پڑیاں کی طرف جاؤں وہاں تو سیکڑوں لوگ ہوتے ہیں۔ میں دوسری کار لے جاؤں گی جسے حشمت خانم نے نہ دیکھا ہو۔ اس طرح اسے پتا نہیں چلے گا کہ میں انہیں کہیں دور سے دیکھ رہی ہوں اور اسے کیا دیکھوں گی مجھے تو صرف علی سردار کو دیکھنا ہے۔ دیکھ کر ہی اطمینان کرلوں گی۔ یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ وہ کب ایک دوسرے سے بچھڑ رہے ہیں اور کب وہ مجھے فون کرنے والا ہے۔

وہ اپنی ایک ایسی کار میں بیٹھ کر گئی جس کے شیشے کلرڈ تھے۔ اندر بیٹھے ہوئے لوگ نظر نہیں آتے تھے مگر اندر بیٹھنے والے باہر والوں کو بہ آسانی دیکھ سکتے تھے۔ وہ ڈرائیو کرتی ہوئی شکر پڑیاں کے پارکنگ ایریا میں آکر رک گئی۔ وہیں کار کے اندر بیٹھی رہی اسی ریستوران کی طرف دیکھا تو علی سردار ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ حشمت خانم کا انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آگئی اس نے دور ہی سے علی سردار کو دیکھا پھر ناگواری سے منہ پھیر کر ایک طرف جانے لگی۔ علی سردار نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پیچھے چلتے ہوئے آواز دی "حشمی! سنو جب بلایا ہے۔ تو روٹھ کر دور نہ جاؤ، جو کہنا ہے کہہ دو آج ہم واقعی آخری فیصلہ کرلیں گے۔"

وہ ایک جگہ گھاس پر جاکر بیٹھ گئی، علی سردار بھی اس کے پاس آکر بیٹھتے ہوئے بولا "کل تم نے جو خط لکھا، اس میں دانش مندی تھی۔ واقعی ہمارے جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ ہمارا مزاج ملتا نہیں ہے۔ تم عیش و عشرت چاہتی ہو وہ میں دے نہیں سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری عمر ہم لڑتے جھگڑتے رہیں گے۔ اگر ہماری اولاد ہوگی تو اس لڑائی جھگڑے کا ان پر بھی بُرا اثر پڑے گا۔"

وہ بولی "یہ میری دانش مندی ہے کہ اب تک ہم اولاد سے محروم ہیں ورنہ تم تو ہمیشہ باپ بننے کی ضد کرتے رہے ہو۔"

"گویا تم نے اس لیے مجھے اولاد سے محروم رکھا ہے کہ میں انہیں عیش و عشرت کی زندگی نہیں دے سکوں گا اور رشوت لے کر دولت مند نہیں بن سکوں گا۔"

"پلیز اس موضوع پر سیکڑوں بار بحث ہو چکی ہے۔ اب میں اچھی طرح سمجھ چکی ہوں جتنی دولت خود ہی چل کر تمہارے پاس آتی ہے تم اسے حرام کی کمائی سمجھتے ہو اور سمجھتے رہو گے۔ اس طرح نہ میں خوش رہ سکوں گی نہ میرے بچے۔"

"پھر تو تم نے کوئی فیصلہ کیا ہوگا؟"

"میں کیا فیصلہ کروں گی، تمہیں کرنا چاہیے۔"

"نہیں، کل تم نے خط میں لکھا تھا کہ آج ہماری آخری ملاقات ہوگی اور آخری فیصلہ ہوگا۔ لہٰذا اس آخری فیصلے کے بارے میں تم ہی کو سوچنا چاہیے اور تم ہی کو بولنا چاہیے۔ تم جو بولو گی وہ مجھے منظور ہوگا۔"

اسی وقت موبائل فون کے بزر کی آواز سنائی دی۔ علی سردار نے جیب سے اپنا موبائل فون نکال کر اسے آن کیا پھر کان سے لگا کر پوچھا "ہیلو، کون؟"

دوسری طرف سے حشمت خانم کے والد کی آواز سنائی دی
"بیٹے' علی سردار ایک بہت ہی افسوس ناک خبر ہے۔ میرے چھوٹے بھائی کا انتقال ہوگیا ہے۔ ابھی فون پر خبر ملی ہے۔ ہمیں جلد سے جلد وہاں پہنچنا ہے اس لیے جا رہے ہیں خانم تم سے ملنے گئی تھی کیا وہ تمہارے ساتھ ہے؟"

"جی ہاں آپ بات کریں۔"

اس نے حشمت خانم کو فون دیا۔ وہ سننے لگی پھر اپنے دوپٹے سے منہ ڈھانپ لیا جیسے رو رہی ہو پھر وہ آنسو بھری آواز میں بولی "آپ دونوں جائیں' میں ابھی ان کے ساتھ آرہی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کردیا پھر بولی "میرا آپ کا جھگڑا ہوتا ہی رہتا ہے لیکن ہمارے ہاں بہت بڑی ٹریجڈی ہوگئی ہے آپ کو تو ڈیڈی نے بتایا ہوگا؟"

"ہاں تمہارے چچا کا انتقال ہوگیا ہے۔ وہ لوگ ان کے گھر جارہے ہیں۔"

"کیا ہمیں فوراً وہاں نہیں جانا چاہیے۔"

"بے شک تمہیں بھی جانا چاہیے۔ چلو اٹھو' مگر تمہارے چچا کہاں رہتے ہیں؟"

"کھیڑیاں پنڈ میں.... پشاور روڈ پر جانا ہوگا وہاں سے ایک کچی سڑک اس پنڈ کی طرف جاتی ہے۔"

وہ دونوں وہاں سے اٹھ گئے۔ علی سردار نے کہا "ہم یہاں سے ٹیکسی لے لیتے ہیں۔"

وہ بولی "میں جس ٹیکسی میں آئی ہوں اسے روک رکھا ہے۔ ڈرائیور سے کہا تھا کہ ابھی آدھے گھنٹے بعد واپس جاؤں گی۔ میرا خیال تھا کہ میں تم سے دو فیصلہ کن باتیں کرکے چلی جاؤں گی لیکن اب تو حالات ہی کچھ اور ہوگئے ہیں۔"

حشمت خانم نے جس ٹیکسی ڈرائیور کو روک رکھا تھا' وہ وہاں موجود تھا۔ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گئے۔ سارہ اپنی کار میں بیٹھی انہیں دیکھ رہی تھی پھر سوچنے لگی یہ کیا ہورہا ہے میں تو سوچ رہی تھی کہ دونوں میں علیحدگی ہوجائے گی لیکن یہ تو ایک ساتھ کہیں جارہے ہیں۔

اس نے اپنی کار اسٹارٹ کی پھر ان سے بہت فاصلہ رکھتے ہوئے ان کے پیچھے جانے لگی۔ وہ کچھ مایوس ہوگئی تھی' سوچ رہی تھی کہ ان میں پھر صلاح ہوگئی ہے پھر آئے دن جھگڑے ہوں گے اور علی سردار کی زندگی تلخ ہوتی جائے گی اور میرا اپنا آئیڈیل مجھے دور ہی دور سے ملتا رہے گا۔

اسلام آباد اور راولپنڈی کی پرہجوم سڑکوں سے گزرنے کے بعد وہ ٹیکسی پشاور روڈ پر پہنچی۔ اس سڑک ... پر بھی گاڑیوں کی اچھی خاصی آمدورفت تھی' اس کے باوجود ٹیکسی ڈرائیور تیزی سے گاڑی چلا رہا تھا اور حشمت خانم بار بار اسے تیز رفتاری سے چلنے کو کہہ رہی تھی۔

جب وہ پشاور روڈ چھوڑ کر کھیڑیاں پنڈ جانے والی کچی سڑک کی طرف مڑنے لگے تو رات کے نو بج رہے تھے۔ ابھی چاند نہیں نکلا تھا لہٰذا تاریکی تھی۔ اس تاریکی میں صرف ٹیکسی کی ہیڈ لائٹس دور تک جارہی تھیں۔ سارہ نے اس کچی سڑک پر آتے ہی اپنی گاڑی کی ہیڈ لائٹس بجھا دیں تاکہ تعاقب کا شبہ نہ ہوسکے۔ وہ علاقہ ایسا تھا جہاں بہت دور دور کہیں ایک دو مکانات تھے ورنہ ویرانی اور سناٹا تھا۔ تاریکی میں کچے راستے پر چلنا کچھ زیادہ دشوار نہیں ہورہا تھا وہ سنبھل سنبھل کر ڈرائیو کررہی تھی اور آگے والی ٹیکسی بہت دور نکل چکی تھی۔

کچھ اور حالات ہوتے تو وہ کبھی ایسی ویران جگہ نہ آتی لیکن علی سردار سے اسے لگاؤ تھا اور یہ خیال اسے کھینچے لے جارہا تھا کہ وہ آج اپنی بیوی کے ساتھ تنہائی میں اس ویران علاقے سے کیوں گزر رہا ہے؟ کہاں جارہا ہے؟

آخر بہت دور دو چھوٹی پہاڑیوں کے درمیان وہ ٹیکسی رک گئی سارہ نے اپنی کار روکی' تھوڑی دیر تک وہ سوچتی رہی پھر کار کو کچے راستے سے اتار کر ڈرائیو کرتے ہوئے درختوں کے پیچھے چلی گئی۔

آسمان پر بے شمار ستارے جگمگا رہے تھے۔ ان کی روشنی اس حد تک تھی کہ کسی اور روشنی کے بغیر کچھ کچھ دیکھا جاسکتا تھا اور سارہ اسی طرح کچھ اندازے سے کار چلاتے ہوئے چند درختوں کے پیچھے چلی آئی تھی۔ ایسی جگہ کار روک دی تھی جہاں سے وہ ٹیکسی اور علی سردار صاف نظر آرہے تھے کیونکہ وہ ہیڈ لائٹس کے سامنے تھے۔

وہ ٹیکسی ڈرائیور علی سردار سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہوا تھا اور حشمت خانم کہہ رہی تھی کہ کہیں ہم غلط راستے پر تو نہیں آگئے۔ اندھیرے میں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

اس کی بات ختم ہوتے ہی پہاڑی کے ایک بہت بڑے پتھر کے پیچھے سے آواز آئی "تم صحیح جگہ لے آئی ہو۔ ہمیں پوری امید تھی کہ تم شکار کو بالکل ہمارے ٹارگٹ پر لاؤ گی۔"

علی سردار نے حشمت خانم کو دیکھا پھر ڈرائیور کی طرف دیکھنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس کے کہنے سے پہلے ہی "ٹھائیں" کی آواز کے ساتھ گولی چلی۔ ایک گولی اس کے سینے میں اتری پھر دوسری پیشانی میں لگی۔ تیسری اس کے حلق میں اتری۔ اور وہ لڑکھڑانے لگا۔ وہ بڑا جی دار تھا' تیسری گولی کھانے کے بعد زمین پر گر پڑا۔

اسے پہلی گولی لگتے ہی سارہ کے حلق سے چیخ نکلنے والی تھی لیکن اس نے دوپٹے کو اپنے منہ میں ٹھونس لیا۔ تھر تھر کانپتے ہوئے دیکھتی رہی۔ ٹیکسی ڈرائیور ہیڈ لائٹس کی روشنی سے ہٹ کر تاریکی کا سہارا لے کر ٹیکسی کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ صرف حشمت خانم اپنے شوہر کی لاش کے پاس کھڑی ہوکر بیوہ بن کر مسکرا رہی تھی۔

علی سردار کی موت کا یقین ہوتے ہی دو اطراف سے دو گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس روشن ہوگئیں۔ ان میں سے ایک بڑی دین

تھی، کچھ لوگ ان گاڑیوں میں سے نکل کر تیزی سے دوڑتے ہوئے آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں شارٹ گن تھی۔ اس نے حشمت خانم سے کہا "تم نے جو کہا، وہ کر دکھایا ہے۔"

"کیوں نہ کرتی، میں نے بھی جو مطالبات کیے تھے، وہ سب تم لوگوں نے پورے کر دیئے۔"

"لیکن تم یہاں سے جا کر کھو گی کیا؟ کس طرح یہ قتل ہوا کیونکہ یہ تمہارے ساتھ شہر سے یہاں تک آیا ہے۔ پتا نہیں کس نے دیکھا ہے اور کس نے نہیں دیکھا پھر کچھ عرصے بعد تحقیقات کے دوران میں تم سے پوچھا جائے گا کہ لندن میں تمہاری اتنی جائداد اور اتنا بڑا بینک بیلنس کہاں سے آگیا، تم کیا جواب دو گی؟"

"میں انہیں ٹالنا جانتی ہوں، باتیں بنا کر ان کو رخصت کر دوں گی۔"

"نہیں، خانم تم تحقیقات کرنے والوں کو بچوں کی طرح نہیں ٹال سکو گی، یہ پاکستانی جاسوس حلق میں ہاتھ ڈال کر اندر کی بات نکال لیتے ہیں۔ تم ہماری رازدار ہو، کسی وقت بھی تمہارے حلق سے یہ راز اگلوایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس حلق کو نہیں رہنا چاہیے۔ یہ ختم ہوگا تو سارا قصہ ختم ہو جائے گا۔"

یہ کہتے ہی اس نے نشانہ لیا، وہ چیخ مار کر بولی "یہ کیا کر رہے ہو؟"

اس کی بات کا جواب ایک گولی چلنے کی آواز کے ساتھ آیا اور وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑی۔ وہ مر چکی تھی اس کے باوجود اس کے جسم پر دوسری گولی ماری گئی پھر کہا گیا "ان دونوں کو اٹھا کر فوراً وین کے پچھلے حصے میں ڈالو۔ ان کی لاشوں کا پتا بھی نہیں چلنا چاہیے۔"

ایک نے کہا "باس، وہ ٹیکسی ڈرائیور کو ہم بھول رہے ہیں۔ ابھی روشنی سے ہٹ کر کہیں تاریکی میں گیا تھا۔"

وہ سب دوڑتے ہوئے ٹیکسی کے چاروں طرف آئے۔ ٹیکسی کے اندر اور باہر دیکھا لیکن وہ ڈرائیور نظر نہیں آیا۔ وہ ٹارچ جلا کر ذرا دور تک اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ وہ کہیں نہیں تھا، ان میں سے ایک نے کہا "وہ بہت ہی چالاک نکلا، ایک کو گولی لگتے ہی فرار ہو گیا ہے۔"

"یہ اچھا نہیں ہوا، اس پر بھی فوراً ہی گولی چلانی چاہیے تھی۔ اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا ہے۔"

وہ لوگ حشمت خانم اور علی سردار کی لاشوں کو اٹھا کر وین کے پیچھے ڈالنے لگے۔ علی سردار کا گریبان کھلا ہوا تھا، لہولہان تھا اور گلے سے ایک تعویذ لٹک رہا تھا، ایک نے کہا "یہ مسلمان اپنی حفاظت کے لیے تعویذ پہنتے ہیں۔ اس بے چارے مسلمان کی خوب حفاظت ہو گئی" سب نے قہقہہ لگایا پھر ایک نے کہا "وقت ضائع نہ کرو۔ فوراً اس ٹیکسی میں آگ لگا کر اسے تباہ کر دو اور چلو۔"

اس کے حکم کے مطابق ایک نے ٹیکسی کے پاس آکر پیٹرول کی ٹنکی کا ڈھکن کھول کر ایک دیا سلائی جلانے کے بعد اس کے اندر پھینک دی اور پھر دوڑتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف دوڑ گیا، اس وقت تک ایک دم سے آگ بھڑکی۔ زبردست دھماکا ہوا اور ٹیکسی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دور تک اور اوپر تک اڑتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔ آگ کی روشنی میں دور تک ویران پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں اور کوئی شخص نہیں تھا۔ یوں کہنا چاہیے کہ وہاں کوئی چشم دید گواہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ جبکہ وہ درختوں کے پیچھے اپنی کار میں بیٹھی ہوئی بہت کچھ دیکھ چکی تھی۔ اس کے منہ میں دوپٹے کا کچھ حصہ ٹھنسا ہوا تھا اور وہ اب تک اپنی چیخوں کو ہچکیوں کو، سسکیوں کو روکنے کی کوششیں کر رہی تھی۔ اس کوشش میں وہ کامیاب رہی تھی۔ آواز تو نہیں نکل رہی تھی مگر دونوں آنکھوں میں آنسوؤں کی لڑیاں بہہ رہی تھیں۔

جب علی سردار کو پہلی گولی لگی تھی تو اسی وقت وہ اپنی کار سے نکل کر اس کی طرف دوڑتی ہوئی جانا چاہتی تھی لیکن عقل نے سمجھایا کہ یہ نادانی ہوگی۔ جو دشمن علی سردار کو ہلاک کر سکتے ہیں۔ وہ اسے بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے اور اس نے تھوڑی دیر بعد ہی دیکھ لیا تھا کہ انہوں نے حشمت خانم کو بھی زندہ نہیں چھوڑا تھا۔ ڈرائیور کی قسمت اچھی تھی کہ وہ کہیں فرار ہو گیا تھا۔

○☆○

رئیس احمد اور سعید احمد فردوسی ڈرائنگ روم میں بے چین سے بیٹھے تھے۔ رئیس احمد نے کہا "سارہ کبھی اتنی دیر سے گھر واپس نہیں آئی۔ گیارہ بج چکے ہیں اسے اب تک آ جانا چاہیے تھا۔"

سعید احمد نے کہا "میں نے موبائل پر رابطہ قائم کرنا چاہا تھا لیکن پتا چلا کہ سارہ نے اپنا موبائل بند کر رکھا ہے۔"

"سعید میاں بعض اوقات سوچتا ہوں ہمارے لاڈ پیار نے اسے بہت آزادی دے رکھی ہے۔"

"کیا کیا جائے بھائی جان، اتنے بڑے گھر میں ہماری وہی ایک بیٹی ہے اور کوئی نہیں ہے۔ اب سارا پیار اسے نہیں دیں گے تو اور کسے دیں گے۔"

"لیکن اسے یہ بھی سمجھایا جائے کہ ہمارے لاڈ پیار کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔ ایک روٹین کے مطابق زندگی گزارے تاکہ ہمارا اعتماد بھی بحال رہے۔"

وہ دونوں بھائی خاموش رہ کر کچھ سوچتے رہے پھر بڑے بھائی نے کہا "میں بہت دنوں سے یہ محسوس کر رہا ہوں کہ وہ علی سردار کی ذات میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی ہے۔ بات بات میں اس کا کوئی ذکر لے بیٹھتی ہے۔"

"ہاں، بھائی جان یہ ایک اہم نکتہ ہے کہ وہ پہلے عجیب بے تکی باتیں کیا کرتی تھی کہ اس دنیا میں آتما بھٹکتی رہتی ہے یا آدمی مرنے کے بعد اسی دنیا میں دوسرا جنم لیتا ہے اور ایسا ہی ایک آدمی اس کی زندگی میں آئے گا۔ میں نے اور آپ نے اسے بارہا سمجھایا لیکن وہ کسی نہ کسی بہانے ایسی باتیں کر لیا کرتی تھی۔ وہ خوابوں میں بھی

ایسی ہی باتیں دیکھتی ہے۔ اسے کتنی بار سمجھایا کہ ایسی کتابیں پڑھنا اور ایسی فلمیں دیکھنا چھوڑ دے لیکن وہ ہماری بات نہیں مانتی تھی۔"

"میں اسے اس کی نفسیاتی کمزوری سمجھتا تھا پھر ایک دن علی سردار نے مجھ سے کہا کہ وہ اس کی یہ عادت چھڑا دے گا اور وہ ایسی بے تکی باتیں نہ سوچا کرے، نہ خواب دیکھا کرے اور ہم نے دیکھا کہ وہ کافی ہی دنوں سے اس قسم کی بے تکی باتیں نہیں کر رہی ہے۔ تب میں نے بھی ڈھیل دے دی کہ وہ علی سردار سے ملاقاتیں کرتی رہے لیکن ڈر لگتا ہے، یہ ملاقاتیں کوئی اور رنگ اختیار نہ کر لیں۔"

پورچ میں ایک کار کے آنے کی آواز آئی۔ کار رک گئی تھی ایک بھائی نے کہا "وہ آگئی ہے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہ دونوں بھائی اس کی حالت دیکھتے ہی ایک دم سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اس کے بڑے ابو نے پوچھا "یہ کیا ہوا ہے، تم نے کیوں ایسی حالت بنا رکھی ہے؟"

اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں یوں لگ رہی تھیں جیسے روتے روتے سرخ پڑ گئی ہوں۔ چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ وہ دوڑتی ہوئی آکر اپنے بڑے ابو سے لپٹ گئی پھر رونے لگی۔ انہوں نے اسے تھپک تھپک کر کہا "کیا ہوا؟ کچھ بتاؤ تو سہی۔"

"بڑے ابو وہ.....وہ، علی سردار....."

اس کے باپ نے پوچھا "کیا علی سردار نے تم سے کچھ کہا ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں، اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا ہے۔"

دونوں بھائیوں کو چند لمحوں کے لیے جیسے سکتہ سا ہو گیا پھر ایک نے کہا "یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ دشمنوں نے اسے اور اس کی بیوی کو گولی مار دی ہے۔"

"تم نے انہیں کہاں دیکھا تھا؟"

"پشاور کے راستے پر یہاں سے کوئی پچاس یا پچپن کلومیٹر دور سڑک کو چھوڑ کر ایک کچا راستہ دو پہاڑیوں کے درمیان جاتا ہے۔ اس جگہ قتل کی یہ واردات ہوئی ہے۔"

"تم یہاں سے پچاس یا پچپن میل دور کیوں گئی تھیں؟"

"علی سردار اپنی بیوی کے ساتھ اچانک اس شہر سے دور جانے لگا تو میرے اندر تجسس پیدا ہوا کہ یہ کہاں جا رہا ہے لہٰذا میں نے ان کا تعاقب کیا تھا۔ تب میں نے اس جگہ یہ سب کچھ دیکھا ہے۔"

"یا خدا، تم کیسی کیسی حرکتیں کرتی ہو۔ اتنی دور گئی تھیں۔ دشمنوں نے اسے اور اس کی بیوی کو گولی ماری اور تم کو چھوڑ دیا۔ تم اس وقت کہاں تھیں؟"

"وہاں بہت تاریکی تھی۔ میں درختوں کے جھنڈ کے پیچھے اپنی کار لے گئی تھی اور وہاں خاموشی سے بیٹھ کر یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ کسی نے مجھے نہیں دیکھا۔"

اس کے بڑے ابو بے چینی سے ٹہلتے رہے اور اس کی باتیں سنتے رہے پھر انہوں نے کہا "مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ اتنی بڑی واردات ہو چکی ہے اور علی سردار....."

وہ کہتے کہتے رک گئے پھر انہوں نے کہا "میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں، وہ موم کا بنا ہوا نہیں ہے کہ اتنی آسانی سے مار دیا جائے۔"

انہوں نے فون کے پاس آکر ریسیور اٹھا کر علی سردار کے موبائل فون کے نمبر پنچ کئے۔ دوسری طرف بالکل خاموشی رہی، انہوں نے کہا "دوسری طرف خاموشی ہے۔ اس کا مطلب ہے موبائل کو بند کیا ہوا ہے۔"

سارہ نے کہا "اسے سرکار کی طرف سے موبائل فون اسی لیے دیا گیا ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے اسے کھلا رکھے۔ کسی وقت بھی اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے پھر موبائل فون بند کیوں رکھا جائے.... میں یقین سے کہتی ہوں کہ ان قاتلوں نے اس کا موبائل لے کر بند کر دیا ہے۔"

رئیس احمد نے ٹیلی فون ڈائریکٹری میں سے انٹیلی جنیس کے دو تین بڑے عہدے داروں کے فون نمبر نوٹ کئے پھر ان سے رابطہ کیا۔ ایک سے رابطہ ہونے پر انہوں نے کہا "میرا نام رئیس احمد ہے اور میں علی سردار کا سرپرست رہ چکا ہوں۔ یوں سمجھیں کہ اسکول کے زمانے سے اسکاٹ لینڈ یارڈ تک تمام کاغذات میں سرپرست کی حیثیت سے میرا نام درج ہے۔ آج وہ میرے پاس رات ۹ بجے آنے والا تھا لیکن ابھی تک نہیں آیا، کیا آپ اس سے رابطہ کرا سکتے ہیں؟"

دوسری طرف سے کہا گیا "ہم اس کا موبائل فون نمبر بتا رہے ہیں۔ آپ اس کے ذریعے رابطہ کر لیں۔"

"اس کا موبائل نمبر ہمیں معلوم ہے۔ میں آپ کو بتا رہا ہوں۔"

انہوں نے نمبر بتایا تو دوسری طرف سے افسر نے کہا "ہاں یہی نمبر ہے۔"

"لیکن رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ فون بند کر دیا گیا ہے۔ پلیز، آپ کسی طرح سے علی سردار سے کونٹیکٹ کریں۔"

"ٹھیک ہے ہم ابھی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

رئیس احمد نے ریسیور رکھ دیا پھر کہا "ایک افسر علی سردار کو ٹریس کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

سارہ کے ابو سعید احمد نے پوچھا "کیا تم علی سردار کی بیوی کا گھر جانتی ہو یا فون نمبر معلوم ہے؟"

"فون نمبر میں نہیں جانتی لیکن ایک بار اس کا گھر دیکھا تھا۔"

"تو پھر ہمیں وہاں چل کر معلوم کرنا چاہیے کہ اس کی بیوی وہاں موجود ہے یا نہیں۔"

سارہ نے کہا "ابو جب میں نے اپنی آنکھوں سے اسے گولی کھاکر دم توڑتے دیکھا ہے تو وہ اپنے گھر میں کیسے موجود ہوگی۔"

اس کے بڑے ابو رئیس احمد نے کہا "اور اس کی بیوی کے گھر جانا مناسب نہیں ہے۔ ابھی یہ کسی کو نہیں بتانا چاہیے کہ ہماری بیٹی سارہ نے علی سردار اور اس کی بیوی کو گولیاں کھاتے مرتے دیکھا ہے۔"

سارہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "یہ کتنا ظلم ہے کہ ان ظالموں نے علی سردار کی لاش بھی نہیں چھوڑی۔ دونوں میاں بیوی کی لاشیں لے کر چلے گئے۔"

رئیس احمد نے کہا "اسی لیے تو کہتا ہوں کہ ابھی تمہاری زبان پر یہ نہیں آنا چاہیے کہ تم نے اپنی آنکھوں سے یہ دو قتل ہوتے دیکھے ہیں۔ ورنہ ہم بڑی مشکل میں پڑ جائیں گے۔"

سارہ نے پوچھا "کیسی مشکل؟"

"پولیس والے سبھی ایک جیسے نہیں ہوتے، رشوت خور بھی ہوتے ہیں۔ جب انہیں معلوم ہوگا کہ ہم کتنے دولت مند ہیں تو وہ بات بات پر ہم سے بڑی بڑی رقمیں رشوت کے طور پر لیں گے۔ اس کے علاوہ ہمیں بار بار عدالتوں میں دوڑنا ہوگا پھر ہمارا وقت بھی ضائع ہوگا۔"

سارہ نے کہا "بڑے ابو آپ نے بچپن سے جس کی پرورش کی، آپ اس کے لیے ایسی باتیں کر رہے ہیں؟"

"بیٹی، سمجھنے کی کوشش کرو، مجھے اس سے محبت نہیں ہوتی تو میں اس کا سرپرست بن کر رہتا؟ ایسی بات نہیں ہے، دراصل ہم یہاں کے الٹے سیدھے قانون پر عمل کرنے والوں سے بچنا چاہتے ہیں۔ ہم اس کے لیے دعائے مغفرت کر سکتے ہیں۔ اس کی یاد میں سوگ منا سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہم نے اگر کچھ کیا اور یہ اگل دیا کہ ہماری بیٹی نے انہیں اپنی آنکھوں سے گولیاں کھاکر مرتے دیکھا ہے تو تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ ہم کتنے برسوں تک عدالتوں کے چکر کاٹتے رہیں گے۔"

سارہ ایک صوفے پر بیٹھ کر رونے لگی۔ اس کے بڑے ابو نے اس کے پاس آکر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "دیکھو بیٹا، دنیا میں بڑے بڑے صدمات سہنے پڑتے ہیں۔ ہم جنہیں دل و جان سے چاہتے ہیں، ان سے ایک دن جدا ہونا پڑتا ہے۔ یہ جدائی ہمیں رلاتی ہے پھر صبر آنے لگتا ہے۔ سعید میاں، سارہ کو اس کے کمرے میں چھوڑ آؤ۔"

سعید احمد نے اپنی جگہ سے اٹھ کر سارہ کا ہاتھ پکڑا پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "آؤ بیٹی، میرے ساتھ آؤ۔"

وہ اپنے باپ کے ساتھ جانے لگی تو رئیس احمد نے کہا "سارہ، میں زندگی میں پہلی بار تمہیں اپنی قسم دے رہا ہوں۔ تمہیں قسم ہے کسی کے سامنے کبھی یہ نہ کہنا کہ تم نے علی سردار اور اس کی بیوی کو اپنے سامنے گولیاں کھاکر مرتے دیکھا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میری بیٹی میری قسم کا بھرم رکھے گی۔"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر آنسو پونچھتے ہوئے اپنے باپ کے ساتھ چلی گئی۔ رئیس احمد ٹہلتے ہوئے سوچنے لگا۔ کافی دیر کے بعد اس نے پھر فون کے ذریعے اس افسر سے رابطہ کیا۔ افسر نے کہا۔ "ہم نے بھی اس کے موبائل فون پر رابطہ کرنا چاہا تھا لیکن وہ فون بند ہے۔ پتا نہیں، اس نے اسے کیوں بند کر رکھا ہے۔"

اس رات سارہ اپنے بستر پر لیٹی اِدھر سے اُدھر کروٹیں بدلتی رہی اور علی سردار کے بارے میں سوچتی رہی۔ جو دلخراش واقعہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، وہ بار بار اس کی نظروں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ وہ اس کے بارے میں بہت کچھ سوچ رہی تھی پھر سوچتے سوچتے اچانک اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اسے جیسے اندر سے کچھ اطمینان حاصل ہونے لگا۔ اسے پھر وہ کتابیں، وہ فلمیں یاد آنے لگیں اور سادھو بابا کی پیش گوئی بھی یاد آئی کہ وہ تم سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ جائے گا، مر جائے گا لیکن تمہارے لیے دوسرا جنم لے کر اس دنیا میں پھر آئے گا۔ دوسری صبح اس نے اپنے بڑے ابو کے پاس آکر کہا "وہ مر چکا ہے لیکن میرے لیے اس دنیا میں واپس آئے گا۔"

اس کے بڑے ابو نے حیرت سے اسے دیکھا پھر آواز دی۔ "سعید احمد ادھر آؤ۔"

چھوٹا بھائی تیزی سے چلتا ہوا اس کمرے میں آیا پھر پوچھا "کیا بات ہے بھائی جان!"

"اس کا دماغ پھر خراب ہو رہا ہے، کل اس نے کہا کہ اسے اپنی آنکھوں سے مرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اب یہ کہہ رہی ہے کہ اب وہ اس دنیا میں پھر اس کے لیے آنے والا ہے۔"

سارہ نے کہا "بڑے ابو کل آپ نے انٹیلی جینس کے افسران سے باتیں کرکے بھی اطمینان کیا ہے کہ اس کا موبائل فون بند ہے جبکہ یہ اس کے اصول کے خلاف ہے۔ کیا آپ کو یقین نہیں آرہا ہے کہ وہ مر چکا ہے؟"

"بیٹی، یقین آبھی رہا ہے اور نہیں بھی آرہا ہے۔ ٹھہرو میں پھر فون کرتا ہوں۔"

اس نے ریسیور اٹھاکر نمبر ڈائل کیے پھر اسی افسر سے کہا "میں رئیس احمد بول رہا ہوں۔ علی سردار کے لیے پریشان ہوں۔ وہ کل رات میرے پاس نہیں آیا، کوئی بات نہیں لیکن اسے معذرت تو کرنی چاہیے یا نہ آنے کی وجہ تو بتانی چاہیے یا اپنا فون کھلا رکھنا چاہیے۔"

افسر نے کہا "ہم بھی پریشان ہیں کہ اب تک اس سے رابطہ کیوں نہیں ہو رہا ہے۔ ہم اس کے بارے میں تحقیقات کر رہے ہیں، جیسے ہی کچھ معلوم ہوگا تو میں آپ کو ضرور اطلاع دوں گا۔"

رئیس احمد نے فون رکھ کر کہا "انٹیلی جینس کے افسران بھی اسے تلاش کررہے ہیں۔ اس کے بارے میں تحقیقات کررہے ہیں کہ وہ کہاں ہے۔ اگر کہیں بھی ہے تو اس نے اپنا فون کیوں بند رکھا ہے جبکہ یہ دفتر کے اصول کے خلاف ہے۔ کسی وقت بھی انٹیلی جینس کے افسران کو اس کی ضرورت پڑسکتی ہے۔ کیا تمہاری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ تم نے اپنی آنکھوں سے جب اسے مرتے دیکھا ہے تو اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"میں کب انکار کررہی ہوں۔ میں تو یہی کہہ رہی ہوں کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا ہے لیکن آئندہ رہے گا۔"

اس کے بڑے ابو نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا پھر کہا "تم پر پھر وہی دورہ پڑرہا ہے۔ دیکھو بیٹی' ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو۔"

سارہ اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "اچھا' ہم اگر تمہاری بات کا یقین کرلیں... کہ آدمی مرنے کے بعد دوسری بار زندہ ہوتا ہے تو تم ہماری بات پر عمل کروگی۔"

"ہاں' مجھے کل رات کی بات یاد ہے۔ آپ نے اپنی قسم دی تھی۔ میں کسی کے سامنے بھی یہ نہیں کہوں گی کہ میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اسے گولی کھاکر دم توڑتے دیکھا ہے۔"

"شاباش' اپنی بات پر قائم رہنا۔ اس کے بعد ہم' تم اور تمہارے عقیدے کو سچ مان کر تمہاری ہاں میں ہاں ملاتے رہیں گے۔ تم جو بولوگی' ہم وہی قبول کریں گے۔"

دوسری طرف حشمت خانم کے ماں' باپ پریشان تھے۔ انہوں نے پولیس میں رپورٹ درج کرائی کہ ان کی بیٹی حشمت خانم پچھلی شام ۶ بجے اپنے شوہر علی سردار سے ملاقات کرنے شکرپڑیاں گئی تھی۔ اس کے بعد سے اب تک نہیں آئی۔ ایک رات گزرچکی ہے اور یہ دوسرا دن گزرنے والا ہے نہ وہ کہیں سے فون کررہی ہے اور نہ ہی کسی طرح اس کی اطلاع مل رہی ہے۔ ہم نے علی سردار کے دفتر میں بھی فون کیا تھا۔ وہاں سے جواب ملا کہ علی سردار سے بھی فون کے ذریعے رابطہ نہیں ہورہا ہے۔

وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچانک کہاں گم ہوگیا تھا' یہ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ سمجھنے والی صرف ایک سارہ فردوسی تھی اور وہ چپ تھی' اس کے بڑے ابو نے اپنی قسم دے کر اس کی زبان بند کردی تھی۔

○☆○

دو دن بعد تیسرے دن علی سردار کا وہ اسسٹنٹ جو خفیہ ریکارڈ روم میں اس کے ساتھ رہا کرتا تھا' وہ انٹیلی جینس کے دفتر میں نظر آیا۔ اس نے انٹیلی جینس کے چیف آفیسر کے سامنے حاضر ہوکر کہا۔ "سر' میں اپنی چھٹی ختم ہونے سے پہلے آگیا ہوں اور ڈیوٹی جوائن کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا بات ہے' اتنی جلدی واپس کیوں آگئے؟"

"سر' کچھ گھریلو معاملات ایسے تھے' میری بیوی سے بن نہ سکی اور طلاق کی نوبت آگئی۔ بہرحال طلاق ہوگئی۔ میرا گھر ویران ہوگیا۔ اچھا ہوا کہ کوئی بچہ نہیں ہوا تھا۔ میں نے وہ گھر اپنے بھائی کے حوالے کرکے کہا ہے' کوئی اچھا گاہک ملے تو اسے فروخت کردے۔ اب میں یہاں چلا آیا ہوں۔"

"چلو جو ہوا اس پر افسوس نہ کرنا۔ اپنی ڈیوٹی جوائن کرسکتے ہو۔"

وہ سیلیوٹ کرکے جانا چاہتا تھا۔ چیف نے کہا "لیکن علی سردار کی چھٹیاں ختم نہیں ہوئی ہیں۔ تمہیں پتا ہے کہ تم سب جس شعبے سے تعلق رکھتے ہو' ان میں سے کوئی بھی چھٹی پر جائے تو یہاں کے دوسرے اسٹاف کو خبر نہیں ہوتی۔ یہی بتایا جاتا ہے کہ وہ کسی مشن پر گئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اپنی زبان بند رکھوگے اور کل سے ڈیوٹی پر آجاؤ۔"

"یس سر!"

"لیکن ریکارڈ روم میں تمہاری ڈیوٹی اسی روز شروع ہوگی جس دن علی سردار اپنی چھٹیوں سے واپس آئے گا۔"

"یس سر لیکن اس وقت تک مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"ہمارا تعلق سراغ رسانی سے ہے۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ جس دن علی سردار گیا ہے۔ اسی رات سے اس کی بیوی کہیں گم ہوگئی ہے۔ اس کے ماں باپ بہت پریشان ہیں۔ ہمارے لوگ بھی اسے تلاش کررہے ہیں۔ بہتر ہے تم بھی اسے تلاش کرو۔ یہی تمہاری ڈیوٹی ہوگی۔"

"آل رائٹ سر!"

وہ پھر سیلیوٹ کرکے واپس چلا گیا۔

جب سے رئیس احمد اور سعید احمد فردوسی نے سارہ سے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ وہ اس کے عقیدے کو نہیں جھٹلائیں گے۔ اگر وہ کہتی ہے کہ انسان موت کے بعد بھی اس دنیا میں دوسرا جنم لیتا ہے تو وہ اس بات کو بھی تسلیم کرلیں گے لیکن اسے علی سردار کی ہلاکت کے بارے میں زبان بند رکھنی ہوگی۔ تب سے سارہ کچھ مطمئن ہوئی تھی۔ اندر سے اس کا دل کہتا تھا کہ جب میرے بزرگ میرے عقیدے کو تسلیم کرنے لگے ہیں تو یقیناً علی سردار اس دنیا میں پھر میرے لیے واپس آئے گا۔

وہ گھر میں رہتے وقت یا باہر جاتے وقت دور دور تک دیکھا کرتی تھی اور کچھ عجیب سے انداز میں کھوئی کھوئی سی رہتی تھی۔ جیسے کھوئی ہوئی چیز تلاش کرنے کے لیے دور تک نظریں دوڑا رہی ہو۔

وہ اکثر صبح اور شام کو ایسی جگہ جایا کرتی تھی جہاں علی سردار سے ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں۔ کبھی کسی ہوٹل ریسٹورنٹ میں کبھی کسی گارڈن میں اور کبھی کسی پلے لینڈ وغیرہ میں جاتی تھی اور دیر تک گھومتی رہتی تھی۔ لوگوں کی بھیڑ میں اسے تلاش کرتی رہتی تھی۔

اس نے جتنی کتابیں پڑھی تھیں اور جتنی فلمیں دیکھی تھیں، ان میں یہ مدت خاص طور پر نہیں بتائی گئی تھی کہ مرنے والا کتنے دنوں بعد یا کتنے مہینوں اور سالوں کے بعد اس دنیا میں واپس آتا ہے۔ وہاں کوئی پنڈت اسے نہیں مل رہا تھا جو ہندو دھرم کے شاستروں کے مطابق اسے آواگون کے بارے میں بتاتا کہ انسان سات بار اس دنیا میں جنم لیتا ہے لیکن ہر جنم کتنے عرصے بعد ہوتا ہے، یہ بھی کسی بڑے پنڈت سے معلوم ہو سکتا تھا لیکن وہ کسی پنڈت کو تلاش نہ کر سکی۔

آخر اس کی عقل میں یہ بات آئی کہ بھارتی سفارت خانے کے عملے میں ہندو ہی ہندو ہوتے ہیں ان میں سے کچھ لوگ شاستروں کے بارے میں اور خاص طور پر آواگون کے بارے میں ضرور بہت کچھ جانتے ہوں گے، یہ سوچ کر اس نے فوراً ہی بھارتی سفارت خانے سے رابطہ کیا، سفیر کے سیکریٹری نے رابطہ ہونے پر پوچھا "آپ کون ہیں؟"

وہ بولی "میرا نام سارہ فردوسی ہے۔ میرے والد کا نام سعید احمد فردوسی ہے اور بڑے ابو کا نام رئیس احمد ہے۔ وہ بہت بڑے بزنس مین ہیں۔ میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔"

"وہ کام کیا ہے، آپ فون پر بتا دیتیں تو بہتر ہوتا۔"

"وہ دراصل میں ہندو دھرم کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہمارے ہاں تو کوئی پنڈت وغیرہ نہیں ہے پھر بھی اگر کوئی معمولی سی بات معلوم کرنا چاہتی ہیں تو تشریف لے آئیں، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔"

ملاقات کا وقت مقرر ہو گیا۔ جب سیکریٹری نے اپنے سفیر سے اس سلسلے میں کہا تو وہ بولا "اپنے جاسوس سے کہو کہ وہ "را" والوں سے رابطہ کریں اور اس سارہ فردوسی کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ آخر وہ کون ہے؟"

وہ سارہ سے ملاقات کرنے سے پہلے ہی اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنے لگے۔ اصل معلومات حاصل کرنے میں دیر نہیں لگی کیونکہ علی سردار کے جتنے اہم کاغذات تھے، وہ اب اس کے ہم شکل کی تحویل میں تھے اور ان تمام کاغذات میں سرپرست کی حیثیت سے رئیس احمد کا نام لکھا ہوا تھا پھر ایک جاسوس نے بتایا کہ علی سردار ان کے گھر آتا جاتا تھا اور وہ لڑکی سارہ فردوسی علی سردار میں دلچسپی لیا کرتی تھی۔ معاملہ رومینس کی حد سے بڑھنے والا تھا یعنی وہ علی سردار سے شادی بھی کر سکتی تھی کیونکہ مسلمانوں میں ایک سے زیادہ شادیوں کا رواج ہے۔

سارہ نے وقتِ مقررہ پر سفیر کے سیکریٹری سے ملاقات کی اسے بتایا کہ وہ برسوں سے ایسی کتابیں پڑھتی اور ایسی فلمیں اور ڈرامے دیکھتی رہی ہے جس میں آتما بھٹکتی رہتی ہے اور اپنے دشمن سے انتقام لیتی ہے یا آدمی مرنے کے بعد پھر دوسرا جنم لیتا ہے۔ اس سلسلے میں، میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ ایک مرنے والا شخص کتنے عرصے کے بعد دوسرا جنم لیتا ہے۔ آپ کے سفارت خانے میں ایسے ہندو ضرور ہوں گے جو دھرم سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں اور اس سلسلے میں کچھ جانتے ہیں۔"

"آپ یہ کیوں معلوم کرنا چاہتی ہیں کہ کوئی مرنے والا کتنے عرصے بعد جنم لیتا ہے؟"

"میں جب ایسی فلمیں یا ڈرامے دیکھتی ہوں تو میرے ذہن میں کئی سوالات ابھرتے ہیں۔ ان میں سے ایک سوال یہ بھی ہے کہ مرنے والا کتنے عرصے بعد جنم لیتا ہے؟"

"دیکھئے، موت تو سبھی گھروں میں اور خاندانوں میں آتی ہے۔ کیا آپ کے خاندان میں یا آپ کے گھر میں کسی ایسے شخص کی موت ہوئی ہے جس کے بارے میں آپ سوچتی ہوں کہ وہ دوسری بار جنم لینے والا ہے۔"

وہ ذرا ہچکچائی.... اسے یاد آیا، اس کے بڑے ابو نے اپنی قسم دی تھی، وہ بولی "نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے چاہنے والے ابو اور بڑے ابو باحیات ہیں لیکن ویسے خاندان میں کتنی ہی اموات ہو چکی ہیں۔ میں سوچتی ہوں کہ ان میں سے کسی مرنے والے نے دوسری بار جنم کیوں نہیں لیا ہے اور اگر نہیں لیا ہے تو کتنے عرصے بعد لے گا؟"

"کیا آپ کے گھر والوں کو یہ معلوم ہے کہ آپ آواگون کے عقیدے کے متعلق بہت زیادہ سوچتی ہیں؟"

"جی ہاں، میرے ابو اور بڑے ابو میری باتیں سن کر بہت زیادہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ کبھی جھنجلاتے ہیں، کبھی منع کرتے ہیں کہ میں اپنے دین اسلام کے عقیدے کے خلاف کوئی دوسری بات نہ سوچوں لیکن میں کیا کروں، کبھی تصور میں کبھی خوابوں میں ایسی باتیں دیکھتی تھی جیسے ایک شخص مر چکا ہو اور پھر اس دنیا میں دوبارہ آ گیا ہو۔ میرے ابو اور بڑے ابو آخر بیزار ہو کر خاموش ہو گئے۔ انہوں نے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا۔"

"ہندوؤں کی آبادی بہت زیادہ ہے۔ صرف بھارت میں سو کروڑ سے زیادہ ہندو ہیں۔ اگر سبھی مر کر دوبارہ زندہ ہوتے رہے تو بھارت کی آبادی دو ہزار کروڑ سے بھی زیادہ ہو جائے گی۔ اصل بات یہ ہے کہ سبھی دوسرا جنم نہیں لیتے۔"

"پھر دوسرا جنم لینے والے کون ہوتے ہیں؟"

"ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنی زندگی میں اپنی کوئی شدید خواہش ادھوری چھوڑ گئے ہوں اور اسے پوری کرنا چاہتے ہوں یا اپنے کسی ایسے محبوب سے بچھڑ گئے ہوں جنہیں انہوں نے مرتے وقت دیکھا نہ ہو اور پھر اسے دیکھنے کے لیے اس دنیا میں آتے ہیں یا پھر کسی کو بے قصور قتل کر دیا جائے تو وہ انتقام لینے کے لیے اس دنیا میں دوسری بار ضرور آتا ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولی "بس اتنی ہی معلومات کافی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔"

سفیر کے سیکریٹری نے اسے چونک کر دیکھا۔ وہ اٹھ کر جانا چاہتی تھی۔ اس نے کہا "پلیز جسٹ اے منٹ، آپ نے ابھی فرمایا تھا کہ آپ کے گھر میں کسی اپنے کی موت نہیں ہوئی ہے پھر آپ یہ کیوں کہہ رہی ہیں کہ وہ شخص دوبارہ اس دنیا میں آنے والا ہے۔"

وہ کچھ گڑبڑا گئی.... اس نے کہا "میں.... میں نے کیا کہا، مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔"

"آپ نے ابھی کہا ہے کہ وہ شخص اس دنیا میں دوسری بار ضرور آئے گا اور ایسا کہتے وقت آپ خوش نظر آرہی تھیں اور اب بھی آپ کے چہرے پر بڑا اطمینان ہے۔"

"وہ.... دراصل..... میرے خاندان میں ایک نوجوان تھا۔ اسے کسی نے قتل کردیا تھا۔ میں اسے بہت پسند کرتی تھی اور سوچتی تھی کہ شاید وہ دوسری بار جنم لے گا۔ آپ نے بھی یہی کہا ہے کہ کسی کو بے قصور قتل کردیا جائے تو وہ انتقام لینے کے لیے اس دنیا میں دوبارہ آتا ہے بس آپ کے اس جواب نے مجھے مطمئن کردیا ہے۔ میں اس نوجوان کا انتظار کروں گی۔ آپ کا بہت بہت شکریہ!" یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلی آئی لیکن اس سیکریٹری کو سوچتا ہوا چھوڑ گئی۔ اس نے پریشان ہو کر خفیہ طور پر ایک جاسوس سے رابطہ کیا پھر اس جاسوس نے "را" والوں سے رابطہ کر کے وہ تمام باتیں بتائیں۔

"را" تنظیم کے انچارج نے کہا "وہ لڑکی کوئی بات چھپا رہی ہے جبکہ بے قصور قتل ہونے کی بات کررہی تھی۔ اس کا عرصہ زیادہ بتا رہی تھی۔ یہ ممکن ہے کہ وہ جھوٹ بول رہی ہو۔ کچھ چھپا رہی ہو۔ ہمیں اس کے اندر سے باتیں نکالنی ہوں گی۔ کے ملہوترا سے رابطہ کرو۔ اس لڑکی کے بارے میں ساری باتیں تفصیل سے بتاؤ اور اس سے کہو چھٹیاں ختم ہونے سے پہلے اور ڈیوٹی جوائن کرنے سے پہلے وہ اس لڑکی سے اتفاقاً سامنا کرے۔"

وہ کہتے کہتے رک گیا، سوچنے لگا..... پھر بولا "اس سے اس طرح پیش آئے جس طرح فلموں میں دکھایا جاتا ہے کہ دوسرا جنم لینے کے بعد وہ مرنے والا اپنی پچھلی زندگی کس حد تک بھول جاتا ہے اور کس حد تک یاد رکھتا ہے اور جب یاد دلایا جاتا ہے تو پھر اسے بہت کچھ یاد آنے لگتا ہے۔ اس طرح وہ لڑکی اسے پچھلی باتیں یاد کرانے کے طور پر اسے اصل باتیں ضرور بتائے گی۔"

جاسوس کے جانے کے بعد انچارج نے زونل افسر کو دیکھا پھر کہا "ہم اس ٹاپ سیکرٹ فائل کو حاصل کرنے کے آخری مرحلے تک آپہنچے ہیں۔ اب بیچ میں یہ لڑکی پتا نہیں کہاں سے آگئی ہے۔"

زونل افسر نے کہا "ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے کسی دوسرے محبوب کے دوبارہ زندہ ہونے کا انتظار کررہی ہو اور اس سلسلے میں پوچھ گچھ کررہی ہو۔"

"ذرا عقل سے کام لو۔ ابھی جبراً علی سردار کو قتل کیا گیا ہے اور وہ لڑکی کہہ رہی تھی کہ اس کے محبوب کو بھی.... قتل کیا گیا تھا۔ یہ باتیں ملتی جلتی ہیں صرف وہ عرصہ زیادہ بتا رہی ہے۔ کیا وہ جھوٹ نہیں بول سکتی؟"

انچارج سر جھکا کر سوچنے لگا..... "کیا مشکل ہے پہلی بار وہ ٹاپ سیکرٹ فائل ہمارے ہاتھ آگئی تھی لیکن علی سردار نے ہماری کامیابی کو ناکامی میں بدل دیا تھا۔ دوسری بار اسے حاصل کرنے کے لیے ہمیں اتنے پاپڑ بیلنے پڑ رہے ہیں۔ اتنی سازش اور اتنی پلاننگ کرنی پڑ رہی ہے۔ ایسے اہم معاملے میں یہ عشق و محبت کا معاملہ کہاں سے آپڑا ہے، شٹ۔"

اس نے... فون کا ریسیور اٹھایا، نمبر ڈائل کیے پھر رابطہ ہونے پر بولا "برکت کیا تمہیں پتا ہے کہ علی سردار کسی لڑکی سارہ سے عشق کرتا تھا؟"

"نو، سر! میں اس سلسلے میں نہیں جانتا اور کے ملہوترا کو بتانا چاہیے تھا کہ اسے اس سلسلے میں کچھ معلوم ہے یا نہیں۔"

"دیکھو، ہم کے ملہوترا کو بہت مجبور ہو کر استعمال کررہے ہیں کیونکہ وہ علی سردار کی طرح قد آور اور صحت مند ہے پھر بہت بڑا نقال ہے ہر طرح سے ریکارڈ روم کے اندر پہنچ کر اپنا کام نکال لے گا لیکن ایک لڑکی کا معاملہ آکر پھنس گیا ہے۔ تم ملہوترا کے پیچھے لگے رہو، اس سے کہو کہ وہ کل تک اس سارہ نامی لڑکی کے متعلق پوری طرح معلومات حاصل کرے۔ جتنی جلدی ہوسکے مجھ سے رابطہ کر کے مجھے اس کے متعلق بتاؤ۔"

"آل رائٹ سر!"

"کیا ملہوترا دوسری ایجنسیوں کے بڑوں سے بھی ملتا رہتا ہے؟"

"سر، جب سے آپ نے وارننگ دی ہے تب سے وہ کسی سے ملتا نہیں ہے لیکن درپردہ فون پر اگر ان سے رابطہ رکھتا ہو تو یہ میں نہیں کہہ سکتا۔"

"وہ بہت لالچی ہے۔ جو ایجنسی والا اسے زیادہ رقم دے گا وہ اسی کی طرف جھک جائے گا جبکہ ہم نے اسے بہت زیادہ رقم دی ہے اور اس کو یہ چھوٹ بھی دی ہے کہ ٹاپ سیکرٹ فائل کی اصل کاپی ہمارے پاس ہونی چاہیے۔ وہ چاہے تو اس کی ڈپلیکیٹ کرا سکتا ہے اور دوسروں کو فروخت کرسکتا ہے۔"

"سر، کوئی کتنا ہی ذہین ہو لیکن اگر وہ لالچی ہو تو اپنے لالچ کے باعث ضرور کہیں غلطی کرے گا اور ملہوترا سے بھی یہی توقع ہے اسی لیے میں اس کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا ہوں اور پھر ریکارڈ روم میں وہ میری مدد کے بغیر کامیاب ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ اطمینان رکھیں ٹاپ سیکرٹ کی اصل فائل آپ ہی کے پاس پہنچے گی۔"

"برکت مجھے تم سے یہی امید ہے۔ ملہوترا خواہ کتنا ہی چالاک ہو ریکارڈ روم میں وہ تمہارے بغیر ایک قدم نہیں چل سکے گا۔

بہرحال تم اس کے ساتھ لگے رہو' دیٹس آل۔"
اس نے ریسیور رکھ دیا۔

○☆○

عشق انسان کو جتنا نچاتا ہے' اتنا دنیا کی کوئی چیز نہیں نچاتی۔ سارہ بھی عشق کے ہاتھوں مجبور ہو کر اِدھر سے اُدھر ناچتی ہوئی بھارتی سفارت خانے میں پہنچ گئی تھی اور یہ اس کی بہت بڑی غلطی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ وہ تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ مرنے والا کتنے عرصے بعد اس دنیا میں دوبارہ واپس آئے گا۔

وہ اس کی تلاش میں دیوانہ وار صبح سے شام تک اِدھر سے اُدھر گھومتی رہتی تھی۔ ایک دن ایک سیاسی پارٹی کے جلوس میں ہنگامہ ہو گیا۔ پولیس والے اس جلوس کو روک رہے تھے اور دونوں طرف سے تصادم جاری تھا جس کی وجہ سے بھگدڑ شروع ہو گئی تھی۔ ٹریفک رک گئی تھی' اسے بھی اپنی کار کو ایک جگہ روک کر راستہ صاف ہونے کا انتظار کرنا پڑا۔ ایسے ہی وقت اس نے بھیڑ میں بھاگتے ہوئے لوگوں کے درمیان علی سردار کو دیکھا تو ایک دم سے چونک گئی۔ یہ نہیں سوچا کہ کہیں سے کوئی گولی آ کر اسے لگ سکتی ہے یا آنسو گیس کی وجہ سے اسے تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ اس نے دروازہ کھول کر آوازیں دیں لیکن شور اتنا زیادہ تھا کہ اس کی آواز علی سردار کے کانوں تک نہیں پہنچ سکی اور وہ اتنی دور تھی اور ان کے درمیان اتنی بھیڑ تھی کہ وہاں تک پہنچتے پہنچتے علی سردار کہیں گم ہو گیا تھا۔

اس نے بہت دور تک پیدل چلتے چلتے' دوڑتے دوڑتے اسے تلاش کیا لیکن وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ اس کا دل خوشی سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے اپنی دونوں کھلی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا اور اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ اس دنیا میں دوبارہ واپس آ گیا ہے۔

اسے خوشی تو بہت تھی لیکن اس سے نہ ملنے اور اس کا سامنا نہ ہونے کے باعث مایوس بھی تھی۔ وہ شام کو گھر واپس آئی اس نے اپنے ابو اور بڑے ابو سے کہا "آج میں نے علی سردار کو دیکھا ہے۔"

دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر اس کے بڑے ابو نے کہا "ہاں بیٹی' تم نے دیکھا ہو گا۔ جب یہ عقیدہ ہم مان رہے ہیں کہ آدمی مرنے کے بعد دوبارہ اس دنیا میں آتا ہے تو پھر ہم تمہاری بات سے کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ تم نے اسے کہاں دیکھا' کیا اس سے بات کی تھی؟"

"وہ.....وہ تو بھیڑ میں کہیں گم ہو گیا تھا۔ سیاسی جلوس میں اور پولیس والوں میں تصادم ہو رہا تھا۔ بھگدڑ مچی ہوئی تھی اس لیے میں علی سردار تک نہ پہنچ سکی۔ اس کے بعد نہ جانے وہ کہاں گم ہو گیا۔"

اس کے ابو نے کہا "بیٹی' تم نے پورے ہوش و حواس سے اور اپنی آنکھوں سے اسے بار بار دیکھا ہے؟"

"بار بار نہیں دیکھ سکی' بہت بھیڑ تھی' وہ گم ہو جاتا تھا۔ میں نے اسے صرف دو ہی بار دیکھا تھا۔"

"دیکھو' ہم تمہارے عقیدے کو نہیں جھٹلائیں گے لیکن آنکھیں دھوکا بھی کھا سکتی ہیں۔ ایک یا دو بار دیکھنے سے اور اتنی بھیڑ میں جبکہ لوگ ادھر سے ادھر بھاگ رہے ہوں تو آنکھیں دھوکا کھا سکتی ہیں۔"

"نہیں ابو' آپ میری بات مانیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔"

اس نے علی سردار کو گولی کھا کر مرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس وقت بھی اس کی آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا۔ آج بھی وہ یہی کہہ رہی تھی کہ اس کی آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ دونوں بھائی اس کی ان باتوں سے الجھ گئے تھے پھر بڑے بھائی نے کہا۔

"بیٹے' تمہیں میری قسم یاد ہے نا۔ یہ بات کبھی کسی سے نہ کہنا کہ تم نے اسے دشمنوں کی گولی کھا کر مرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔"

"ابو' میں آپ کو کتنا چاہتی ہوں' آپ جانتے ہیں۔ آپ کی قسم میرے لیے پتھر کی لکیر ہے۔ میں نے آج تک کسی سے یہ بات نہیں کہی ہے۔"

"شاباش بیٹی' آؤ چلو' اب کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔"

کھانے کی میز پر آ کر وہ بیٹھ گئی لیکن کھانے میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے دل میں کچھ خوشیاں تھیں اور کچھ تجسس تھا۔ اگر علی سردار اس کے سامنے ہوتا تو وہ ناراض ہو جاتی۔ اس سے کہتی کہ جب تم دوبارہ اس دنیا میں آ چکے ہو تو آتے ہی پہلے مجھ سے ملاقات کیوں نہیں کی؟

کھانے کے بعد وہ بیڈ روم میں آئی اور اِدھر سے اُدھر ٹہلتی رہی۔ کبھی اٹھتی رہی کبھی بیٹھتی رہی اور کبھی بستر پر لیٹ کر سوچتی رہی' کیا وہ اسے بھول چکا ہے؟

ہاں ایسا اکثر ہوتا ہے۔ دوسرا جنم لینے والا بہت سی باتیں بھول جاتا ہے تو کیا اس نے مجھے بھی بھلا دیا ہو گا؟

وہ اِدھر اُدھر یوں دیکھنے لگی جیسے اس نے دن کو کسی وجہ سے ملاقات نہیں کی شاید رات کو چپ چاپ بالکونی کے راستے سے آئے اور اسے اپنی آمد کے بارے میں "سرپرائز" دے۔ اس نے بالکونی کی طرف دیکھا' وہ خالی تھی۔ وہ بستر سے اٹھ کر وہاں آئی تو بالکونی میں اور دور دور کہیں اس کا نام و نشان نہیں تھا۔

پہلی بار اس کے دل میں شبہ پیدا ہوا۔ کیا میری آنکھوں نے دھوکا کھایا ہے۔ کیا میں نے علی سردار سے ملتے جلتے کسی اور شخص کو دیکھا ہے؟

لیکن عشق بڑا ضدی ہوتا ہے۔ کسی کی بات نہیں مانتا۔ وہ

جھنجلا کر اپنے بستر پر آ کر لیٹ گئی۔ دوسرے دن وہ پھر اس کی تلاش میں نکلی پھر شام کو اس اسنیک بار میں گئی جہاں پہلے علی سردار کے ساتھ دوبار جا چکی تھی۔ وہاں پہنچتے ہی وہ ایک دم سے ٹھٹک گئی۔ خوشی کے بارے بے حال ہو گئی۔ جس میز پر وہ دونوں بیٹھا کرتے تھے۔ وہاں علی سردار بیٹھا ہوا تھا اور سر جھکائے کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے اس کے پاس آئی پھر اسے مخاطب کیا۔

"علی..."

اس نے چونک کر سر اٹھایا' اسے دیکھا..... پھر اپنے آس پاس سر گھما کر دیکھنے لگا۔ سارہ نے کہا "میں نے کسی اور کو نہیں' تمہیں مخاطب کیا ہے۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر بولا "تم..... تم مجھے جانتی ہو؟"

وہ اس کے سامنے میز کے دوسری طرف بیٹھ کر بولی "بیٹھ جاؤ۔"

وہ بیٹھ گیا۔ سارہ نے کہا "مجھے شبہ تھا یہی ہو گا جو ہو رہا ہے۔"

"کیا ہو رہا ہے؟"

"تم نے دوسرا جنم لیا ہے اور پچھلے جنم کی بہت سی باتیں بھول رہے ہو حتیٰ کہ تم نے مجھ جیسی محبت کرنے والی کو بھی بھلا دیا ہے۔ کیا ذرا سا بھی یاد نہیں آ رہا ہے کہ تم نے مجھے پہلے کبھی دیکھا تھا؟"

وہ اسے تک رہا تھا پھر اس نے کہا "میں ابھی تمہارے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن تمہیں نہ جاننے کے باوجود چہرہ کچھ کچھ ایسا ہی تھا جیسی کہ تم ہو۔ عجیب بات ہے کہ میں تصور میں اس چہرے کو مکمل کرنا چاہ رہا تھا اور تم میرے سامنے آ گئی ہو۔"

اس نے پوچھا "یہ بتاؤ تم اس دنیا میں کب آئے ہو؟"

وہ کچھ سوچ کر بولا "مجھے اپنی عمر اچھی طرح یاد نہیں ہے۔"

"میں تمہاری پچھلی عمر نہیں پوچھ رہی ہوں' تم نے یہ جو نیا جنم لیا ہے' اس کے بارے میں بتاؤ۔"

"میں بہت حیران بھی ہوں اور پریشان بھی۔ تین دن پہلے جب میری آنکھ کھلی تو مجھے ایسا لگا جیسے میں کوئی نیا آدمی ہوں اور کسی نئے گھر میں ہوں۔ میں نے اس کمرے کو اچھی طرح دیکھا تو کچھ یاد آ رہا تھا اور کچھ یاد نہیں آ رہا تھا پھر میں نے اس بنگلے میں ہر طرف گھوم کر دیکھا۔ باہر آ کر بھی دیکھا۔ دروازے پر اس بنگلے کا نمبر ۲۹ لکھا ہوا تھا۔"

وہ میز پر ہاتھ مار کر بولی "وہی تو تمہارا بنگلا ہے۔ تم وہیں رہتے آئے ہو پھر اپنے ہی گھر کو نہیں پہچان رہے تھے۔"

"اب کچھ کچھ محسوس ہوتا ہے کہ میں وہاں بہت عرصے تک رہ چکا ہوں۔"

"کیا تمہیں یاد ہے کہ تم انٹیلی جینس ڈپارٹمنٹ کے ایک بہت بڑے سراغ رساں ہو۔"

"یہ بات تمہیں کیسے معلوم ہوئی کیونکہ میں بھی نہیں جانتا تھا لیکن اسی دن دوپہر کو ایک شخص آیا۔ اس نے اپنا نام برکت بتایا' وہ کہہ رہا تھا کہ میں کہاں گم ہو گیا تھا۔ انٹیلی جینس والے مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ اس کے بعد اس نے جتنی باتیں بتائیں' اس سے یہ ظاہر ہوا کہ واقعی میں انٹیلی جینس ڈپارٹمنٹ کا بہت بڑا سراغرساں ہوں اور اس ڈپارٹمنٹ کے ایک بہت ہی اہم اور خفیہ شعبے میں کام کرتا ہوں۔"

"اپنے ڈپارٹمنٹ کی بات چھوڑو' میری بات کرو۔ مجھے اب اچھی طرح پہچان گئے ہو نا۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "میں کیا بتاؤں' اچھی طرح تو نہیں پہچان رہا ہوں لیکن اب یاد آ رہا ہے کہ میں تمہیں دیکھ چکا ہوں۔ تم سے مل چکا ہوں اور شاید ایسا ہی کوئی وقت ہو گا اور ایسی ہی کسی میز پر تمہارے ساتھ سینڈوچز کھا چکا ہوں' چائے پی چکا ہوں۔ کچھ ایسی ہی باتیں میرے ذہن میں آ رہی ہیں۔"

وہ ذرا ناراض ہو کر بولی "اور..... میں محبت کی جتنی باتیں کیا کرتی تھی' وہ تمہیں یاد نہیں آ رہی ہیں۔"

"دیکھو' میں معافی چاہتا ہوں۔ پتا نہیں میرے ساتھ کیا ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے تم مجھے یاد دلاؤ گی تو ساری باتیں یاد آتی رہیں۔ جیسا کہ اس انٹیلی جینس ڈپارٹمنٹ کے ایک برکت نامی آدمی نے مجھے بہت کچھ بتایا تھا اور بہت کچھ یاد آنے لگا ہے۔"

وہ اپنی ناراضگی بھول گئی' مسکرا کر بولی "ہاں' ایسا ہوتا ہے۔ انسان مرنے کے بعد دوسرا جنم لے تو وہ بہت کچھ بھول جاتا ہے۔"

"کیا؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو' کیا میں مر چکا تھا؟"

"ہاں' تم مر چکے تھے۔ دوسری بار اس دنیا میں آئے ہو۔"

"لیکن وہ جو برکت نامی شخص ہے' اس نے تو مجھے مرنے والی بات نہیں بتائی تھی۔"

"تمہارے مرنے کی بات صرف میں جانتی ہوں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ دشمنوں نے تمہیں اور تمہاری بیوی کو گولی ماری تھی۔"

"ہاں' وہ برکت کہہ رہا تھا۔ میری ایک بیوی تھی جو کئی دنوں سے لاپتا ہے لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ مجھے اور میری بیوی کو گولی ماری گئی ہے۔"

"میں جو کہہ رہی ہوں' تمہاری موت کی چشم دید گواہ صرف میں ہوں اور ایک ٹیکسی ڈرائیور ہے جو کہیں فرار ہو گیا ہے۔"

"مجھے کہاں گولی ماری گئی تھی؟"

"کھیڑیاں پنڈ کی طرف جانے والا ایک کچا راستہ ہے' وہاں دو پہاڑیوں کے درمیان یہ واردات ہوئی تھی۔ میں نے اپنی کار کی ہیڈ لائٹس بجھا دی تھیں اور درختوں کے جھنڈ کے پیچھے چلی گئی تھی۔ مجھے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا لیکن میں ان سب کو دیکھ رہی تھی۔ جب انہوں نے تمہیں گولی ماری تو میرے حلق سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ میں نے دوپٹے کو اپنے منہ میں ٹھونس لیا' پتا نہیں انہوں نے تمہیں کتنی گولیاں ماریں' میرے تو ہوش اڑے ہوئے تھے۔ میری سمجھ

میں نہیں آرہا تھا مجھے کیا کرنا چاہیے لیکن اتنی عقل تھی کہ تمہاری طرف اب نہیں جانا چاہیے کیونکہ انہوں نے تمہارا کام تمام کردیا ہے۔ وہ جب تمہاری بیوی کو مار سکتے ہیں تو مجھے بھی ہلاک کرسکتے ہیں۔"

"کیا تم جانتی تھیں کہ میرا تعلق انٹیلی جنیس ڈپارٹمنٹ سے ہے؟"

"میں بھلا کیسے نہیں جانوں گی۔ میرے بڑے ابو نے تمہاری پرورش کی' تم کو اس مقام تک پہنچایا۔"

"تو پھر تم نے میرے ڈپارٹمنٹ میں جاکر میرے اس طرح ہونے والے قتل کی خبر کیوں نہیں دی؟"

"میں مجبور ہوگئی تھی۔ بڑے ابو نے مجھے قسم دی تھی کہ میں یہ بات کسی کو نہ بتاؤں ورنہ ہم پولیس اور عدالت کے درمیان چکر کھاتے رہیں گے۔ رقم بھی ضائع ہوتی رہے گی' وقت بھی ضائع ہوتا رہے گا اور پریشانی الگ ہوگی۔"

"تمہیں کیا پریشانی ہوسکتی تھی؟"

"کیسی باتیں کررہے ہو' تم مجھ سے بچھڑ گئے تھے اور میں پریشان نہ ہوتی پھر یہ کہ وہ دشمن تمہاری اور تمہاری بیوی کی لاش اٹھاکر لے گئے تھے۔ اگر میں رپورٹ کرتی تب بھی کوئی یقین نہیں کرتا کیونکہ جائے واردات پر تم یا تمہاری بیوی کسی کی بھی لاش نہیں تھی اور اب تم آگئے ہو تو واقعی میری بات جھوٹی ہی سمجھی جاتی بلکہ یہ الزام آئے گا کہ میں تمہاری قتل ہونے والی بیوی کو جانتی ہوں۔ اب وہ تمہیں چھوڑ کر تمہاری بیوی کے بارے میں ہمارے پیچھے پڑجائیں گے۔"

"ہاں' اس پہلو سے تم نے درست کہا ہے۔ میں خود نہیں جانتا کہ میری بیوی کتنے دنوں سے کہاں گم ہوگئی ہے۔ وہ برکت کہہ رہا تھا کہ میں چھٹیوں پر ہوں۔ شاید تین دنوں کے بعد دفتر جاؤں گا۔ تو وہاں مجھ سے اس سلسلے میں بھی پوچھ گچھ ہوگی' میں تو بڑی مشکل میں پڑگیا ہوں۔ پتا نہیں میرے ذہن کو کیا ہوگیا ہے؟"

وہ پریشان ہوکر اپنی پیشانی کو سہلانے لگا۔ سارہ نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا "تمہیں اس سلسلے میں زیادہ نہیں سوچنا چاہیے۔ آہستہ آہستہ سب کچھ یاد آجائے گا۔"

"یہ بتاؤ تم اس ٹیکسی ڈرائیور کو کہیں دیکھ کر پہچان سکتی ہو؟"

"نہیں' میں نے اسے نہیں دیکھا تھا پھر یہ کہ رات کی تاریکی تھی۔ وہ کچھ دیر اپنی ٹیکسی کی ہیڈ لائٹس کے سامنے رہا تھا' پوری طرح نظر نہیں آرہا تھا۔ میں اسے پہچان نہیں سکوں گی۔"

"ہوں۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور بھی تمہاری طرح سوچ رہا ہوگا۔ خواہ مخواہ کسی مرڈر کے بارے میں پولیس کے سامنے زبان کھولے گا تو ہمیشہ پولیس اور عدالت کے درمیان دوڑتا پھرے گا۔"

"پہلے تم اپنے ڈپارٹمنٹ کی باتیں کررہے تھے۔ اب ڈرائیور کی باتیں لے بیٹھے ہو۔ میری باتیں کرو نا..."

"میں تمہاری بات کیا کروں جب تم اپنے بارے میں بولتی رہو گی اور مجھے یاد آتا رہے گا تب میں تمہاری باتیں کروں گا۔ ویسے ایک بات بتاؤ' کیا تم نے اپنے ابو کو یہ بتایا ہے کہ کل تم نے مجھے کہیں دیکھا تھا؟"

"ہاں' ابو اور بڑے ابو دونوں کو بتایا تھا۔ دونوں حیران ہوئے تھے۔ میں سمجھ رہی تھی کہ انہیں یقین نہیں آرہا ہے لیکن وہ میری تسلی کے لیے میری ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ اب تم ساتھ چلوگے تو انہیں یقین آجائے گا۔"

"نہیں ابھی میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ پہلے ہم ایک دو ملاقاتیں تنہائی میں کریں گے۔ اسی طرح باتیں کرتے رہیں گے۔ تم مجھے ساری باتیں ایک ایک کرکے بتاؤ گی' یاد دلاؤ گی۔ جب سب کچھ یاد آجائے گا تو میں ان کے سامنے جاؤں گا' تب ان کی حیرانی بھی دور ہوگی اور وہ یقین بھی کرلیں گے کہ ہاں میں علی سردار ہوں۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ تھام کر بولی "تم مل گئے ہو تو مجھے ساری دنیا مل گئی ہے۔ میں وہی کروں گی جو تم کہو گے۔ میرے ابو کہہ رہے تھے کہ میری آنکھیں دھوکا بھی کھاسکتی ہیں۔ آئندہ اگر وہ تمہارے بارے میں پوچھیں گے تو میں یہی کہوں گی کہ میری آنکھوں نے دھوکا کھایا تھا لیکن تم مجھے روز صبح و شام ملوگے جیسے کہ پہلے ملا کرتے تھے۔ میں ہر اس جگہ تمہیں لے جاؤں گی جہاں ہم جایا کرتے تھے اس طرح تمہاری یادداشت واپس آجائے گی۔ تم اپنے بارے میں سب کچھ جان لوگے۔"

سارہ کے پیچھے والی میز پر برکت بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی کرسی سارہ کی کرسی سے دو فٹ کے فاصلے پر تھی۔ وہ کان سے آلۂ سماعت لگائے ہوئے تھا اور اس کا تار اس کی شرٹ کے پیچھے کالر کے اندر گیا تھا۔ اس کے اندر ایک مائیکروفون تھا۔ وہ مائیکروفون اتنا طاقتور تھا کہ اس کے ذریعے دس فٹ دور کی آواز واضح طور پر سنائی دیتی تھی اور برکت نے وہ سب کچھ سن لیا تھا جو سارہ' علی سردار سے کہتی جارہی تھی۔ یہ معلوم ہوگیا تھا کہ علی سردار کی موت کی چشم دید گواہ اس کے پیچھے بیٹھی ہوئی ہے۔

اس رات ایک بنگلے کے بڑے سے ڈرائنگ روم میں "را" کا زونل آفیسر اپنے دو مشیروں اور چار سراغ رسانوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے علاوہ کے ملہوترا بھی چیف کے سامنے والے صوفے پر تھا اور برکت ایک طرف ہاتھ باندھے کھڑا ہوا تھا۔

زونل افسر نے کے ملہوترا سے کہا "ہم اب تک سمجھ رہے تھے کہ ایک ٹیکسی ڈرائیور ہی چشم دید گواہ ہے اور وہ بھی اس لیے سامنے نہیں آئے گا کہ غریب ہے اور پولیس اور عدالت کے لفڑے میں نہیں پڑے گا مگر یہاں تو علی سردار کی ایک محبوبہ نکل آئی ہے۔ جو چشم دید گواہ ہے۔ وہ بڑی گڑبڑ کرسکتی ہے۔"

کے ملہوترا نے کہا "پولیس اور عدالت کے چکروں سے صرف

غریب ہی نہیں بلکہ امیر بھی گھبراتے ہیں کیونکہ امیروں سے زیادہ رشوتیں لی جاتی ہیں اور انہیں جھوٹے کیسوں میں الجھا کر بلیک میل کیا جاتا ہے۔"

برکت نے کہا "یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ علی سردار کو قتل کئے ہوئے کئی دن گزر چکے ہیں اور وہ لڑکی اب تک خاموش ہے۔ اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا ہے پھر بھی وہ چشم دید گواہ ہے، کسی وقت بھی مصیبت بن سکتی ہے۔"

کے ملہوترا نے کہا "مصیبت نہیں راحت بن سکتی ہے۔"

زونل افسر نے کہا "معلوم ہوتا ہے اس پر تمہارا دل آگیا ہے۔ کیا وہ بہت خوب صورت ہے؟"

"سچ بات تو یہی ہے کہ میں اسے پہلی بار دیکھتے ہی اس کا دیوانہ ہوگیا ہوں اور اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ ایک الگ بات ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ میرے پیار میں الجھی رہے گی تو مجھے علی سردار سمجھتی رہے گی اور میرے لیے کبھی مصیبت نہیں بنے گی بلکہ کبھی کوئی مصیبت آئے گی تو وہی میرے کام آئے گی، محبت میں میری خاطر جان بھی دے دے گی۔"

زونل افسر نے کہا "ملہوترا، یہ سب جذباتی باتیں ہیں اور تم تو جذبات کے نہیں بلکہ عالمی خطرناک خفیہ ایجنسیوں کے فری لانسر سیکرٹ ایجنٹ ہو۔ جو تمہیں زیادہ رقم دیتا ہے، تم اس کے لیے کام کرتے ہو۔ تم رقم گنتے ہو ایک سے بڑھ کر ایک حسینہ کو ایک رات گن کر دوسری صبح گنتی بھول جاتے ہو۔"

اس افسر کے مشیر نے کہا "ہمارے سامنے مثال موجود ہے۔ وہ حشمت خانم اپنے شوہر علی سردار کی وفادار بیوی کہلاتی تھی۔ اس کا رویہ دیکھ کر سب یہی کہہ سکتے تھے کہ وہ اپنے حقوق کے لیے اپنے میاں سے لڑتی ہے لیکن کبھی کوئی یہ سوچ نہیں سکتا تھا کہ وہ کبھی اپنے میاں کو قتل بھی کرا سکتی ہے۔ لہٰذا جس سارہ کی محبت کی باتیں کر رہے ہو، وہ بھی کسی دن اچانک کوئی ایسی آفت آپڑے کہ اس کے باپ اور اس کے بڑے ابو پر مصیبت آئے تو وہ تمہارے بارے میں ساری باتیں اگل دے گی، پلیز جذبات سے نہیں عقل سے کام لو۔"

ملہوترا نے کہا "آپ سب مانتے ہیں کہ میں زیادہ سے زیادہ رقم گنتا ہوں۔ جذبات کو اہمیت نہیں دیتا یہاں بھی وہی بات ہے۔ اب میں صاف صاف کہہ دوں کہ سارہ واقعی بے حد حسین ہے اور مجھے پسند ہے لیکن اس کے پیچھے کوئی اور بات ہے۔ وہ اپنے بڑے ابو کی دولت اور جائداد کی واحد مالک بنے گی اگر میں اس سے شادی کرلوں تو ارب پتی کہلاؤں گا پھر کسی دن موقع دیکھ کر اسے حادثے کا شکار بنادوں گا۔ اس طرح نہ سارہ رہے گی نہ اس کے گھر والے رہیں گے، ساری دولت میری اپنی ہوگی۔"

زونل افسر نے کہا "دانش مندی یہ ہے کہ ایک وقت میں ایک ہی کام کرنا چاہیے۔ وہ ٹاپ سیکرٹ فائل سب سے زیادہ اہم ہے۔"

"میں نے جب وعدہ کیا ہے اور اسے حاصل کرنے کے لیے اپنا چہرہ بدل لیا ہے۔ خود کو علی سردار بنالیا ہے تو آپ کو فکر کس بات کی ہے؟ وہ فائل آپ کو ضرور ملے گی۔ رہی یہ بات کہ ایک وقت میں ایک کام کرنا ہے تو میں یہ نہیں مانتا۔ میں ایک تیر سے دو شکار کرتا ہوں اور میری دوسری شکار سارہ فردوسی ہے۔ جس سے میں ضرور شادی کروں گا۔ دو دنوں کے بعد جب میں ڈیوٹی جوائن کروں گا تو برکت کی مدد سے میری پوری کوشش ہوگی کہ تین روز میں وہ فائل حاصل کرکے آپ کے حوالے کردوں جب آپ کا یہ کام ہوجائے گا تو پھر میرا اور سارہ فردوسی کا معاملہ ہمارا ذاتی ہوگا۔ اس سے آپ لوگوں کو واسطہ نہیں رکھنا چاہیے۔"

زونل افسر نے فون کے ذریعے "را" کے انچارج سے رابطہ کیا پھر پوچھا "سر آپ یہ تمام باتیں سن رہے ہیں؟"

"ہاں، میں اپنی جگہ بیٹھا ساری گفتگو سن رہا ہوں۔ ہم اس ٹاپ سیکرٹ فائل کو حاصل کرنے کے آخری مرحلے پر ہیں لہٰذا کے ملہوترا سے کوئی کشیدگی نہیں رکھنی چاہیے۔ وہ اگر کسی سے عشق کررہا ہے تو کرتا رہے۔ ہمیں اس بات کی ضمانت دے رہا ہے کہ ڈیوٹی جوائن کرتے ہی... دو چار روز میں وہ فائل ہمارے حوالے کردے گا لہٰذا اس بات کو ختم کردو۔"

کے ملہوترا نے زونل افسر سے کہا "ذرا فون کا ریسیور مجھے دیں۔"

اس نے ریسیور لے کر کان سے لگاتے ہوئے کہا "مسٹر انچارج صاحب، جب میں کسی بھی ایجنسی کے لیے کام کرتا ہوں تو اس ایجنسی کے ایک ایک فرد کے بارے میں اور ان کے اعلیٰ افسران کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرلیتا ہوں تاکہ کسی مرحلے پر دھوکا نہ کھانا پڑے لہٰذا آپ یہ نہ سمجھیں کہ مجھ سے چھپ کر کہیں باتیں سن رہے ہیں اور ہمیشہ چھپے رہیں گے۔ آپ کا نام دھرم راج سکینہ ہے اور آپ اس وقت ہمارے ساتھ والے بنگلے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں ابھی آپ کے پاس پہنچ سکتا ہوں لیکن ضروری نہیں سمجھتا۔ ایک بات یاد رکھئے، میں وہ فائل صرف آپ کے حوالے کروں گا۔ زونل افسر جیسوں کی حیثیت میرے سامنے کچھ نہیں ہے۔ لین دین آپ سے ہوگا فرمائیے کیا کہتے ہیں؟"

دوسری طرف انچارج دھرم راج سکینہ نے کہا "تم وہ فائل حاصل کرلو گے تو میں یقیناً تمہارے سامنے آکر لین دین کروں گا۔ جب تم سب کچھ جانتے ہو تو میں... روپوش نہیں رہوں گا۔ ابھی جو بحث چھڑی ہوئی ہے اسے ختم کرو اور کام کی طرف توجہ دو۔ ڈیٹس آل۔"

فون بند ہوگیا۔ کے ملہوترا نے... ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ زونل افسر اسے ناگواری سے دیکھ رہا تھا کیونکہ اس نے ان کے

انچارج سے کہا تھا کہ زونل افسر جیسے لوگوں کی اس کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ بڑی توہین والی بات تھی لیکن وہ اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا تھا۔ ایک تو ٹاپ سیکرٹ فائل کو حاصل کرنا ضروری تھا' دوسری یہ بات کہ ملہوترا بہت ہی خطرناک تھا۔ اس کے پیچھے بڑی بڑی خطرناک ایجنسیاں تھیں جو اسے تحفظ دیتی تھیں۔ اگر اسے ہلاک کرنے یا نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی تو اپنا ہی نقصان ہوتا للٰذا زونل افسر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

○☆○

کال بیل کی آواز سنائی دی۔ اندر حشمت خانم کے ماں باپ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے دروازے کی طرف دیکھا پھر باپ نے اٹھ کر دروازے کو کھولا۔ دروازے پر انہیں علی سردار نظر آیا۔ اسے دیکھتے ہی سسر نے منہ پھیر لیا۔ ساس نے اٹھ کر کہا "اب اتنے دنوں بعد میری بیٹی کی خبر لینے آئے ہو۔ جب کہ اس کی کوئی خبر نہیں مل رہی ہے۔ تم کیسے سراغ رساں ہو کہ اپنی بیوی کو اب تک تلاش نہ کر سکے۔"

"میں چھٹیوں پر گیا ہوا تھا۔ کل مجھے ڈیوٹی پر جانا ہے۔ آج آیا ہوں تو پتا چلا ہے کہ کئی دن پہلے آپ کی بیٹی کہیں گم ہو گئی ہے۔"

سسر نے طنزیہ انداز میں کہا "گم ہو گئی ہے یا ہلاک کر دی گئی ہے۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ یہ تو تفتیش کے بعد معلوم ہو گا۔"

"جب تفتیش کرنے والا ہی قاتل ہو تو کیسے معلوم ہو گا۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ کیا میں نے آپ کی بیٹی کو ہلاک کیا ہے؟"

"ہاں' تم نے اسے ہلاک کیا ہے اور اتنی لمبی چھٹی کے بہانے کہیں غائب رہے ہو۔"

"اب تو آ گیا ہوں۔ اب تو مجھے آپ کے سامنے بھی اور قانون کے محافظوں کے سامنے بھی جواب دہ ہونا پڑے گا لیکن میں صرف اتنا ہی جانتا ہوں کہ شام کے ۶ بجے اس نے شکر پڑیاں میں مجھ سے ملاقات کی تھی۔ اس کے بعد مجھ سے جدا ہو گئی تھی۔"

"وہ تم سے جدا ہو گئی تھی یا تم نے اسے ہم سے جدا کر دیا ہے۔"

"آپ کے پاس کوئی ایسی معقول دلیل ہے کہ میں اسے کیوں قتل کروں گا۔"

وہ کہتا ہوا اندر آیا۔ سسر نے راستہ روکنے کے انداز میں کہا "خبردار' تم اندر نہیں آ سکتے۔"

"آپ یہ بھول رہے ہیں کہ میں صرف آپ کا داماد نہیں سراغ رساں بھی ہوں اور آپ کے پورے گھر کی تلاشی لے سکتا ہوں۔ ہو سکتا ہے آپ نے خود ہی بیٹی کو چھپا کر رکھا ہو اور مجھ پر الزام لگا رہے ہوں۔"

"یہ کیا بکواس ہے' ہم اپنی بیٹی کو کیوں چھپائیں گے؟"

"میں اس کے کمرے میں جانا چاہتا ہوں۔"

"سوری' اس کا کمرا مقفل ہے وہ ہمیشہ جب بھی باہر جاتی تھی تو اپنے کمرے کو لاک کر کے جاتی تھی۔ چابیاں اسی کے پاس ہوتی ہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ جب سے وہ گم ہوئی ہے تب سے یہ کمرا بند ہے۔ کیا پولیس والوں نے اسے کھولنے کے لیے نہیں کہا تھا۔"

"نہیں انہوں نے سطحی سی کارروائی کی تھی۔ بھئی تم اتنے بڑے افسر ہو تمہارے معاملے میں کون اتنی گہرائی سے چھان بین کرے گا اور کون ہماری بیٹی کو واپس لائے گا۔"

"دیکھئے آپ خواہ مخواہ مجھے الزام دیے جا رہے ہیں جبکہ میں نے کبھی خود سے جھگڑے کی شروعات نہیں کی ہمیشہ وہی جھگڑ کر آپ لوگوں کے پاس آ جایا کرتی تھی۔"

"وہ ہمارے پاس نہیں آئے گی تو کیا تمہارے پاس رہے گی جب کہ تم کسی دوسری لڑکی میں دلچسپی رکھتے ہو۔ اس کے ساتھ گھومتے پھرتے ہو۔ وہ ایک کروڑ پتی یا ارب پتی باپ کی بیٹی ہے۔"

"جی ہاں' وہ اس وقت بھی میرے ساتھ ہے۔ باہر اپنی کار میں بیٹھی ہوئی ہے۔"

ساس نے کہا "بہت خوب' میری بیٹی کو طعنے دیا کرتے تھے کہ وہ لالچی ہے' دولت مند بننا چاہتی ہے اور خود اپنے لالچ کا ثبوت دے رہے ہو۔ ایک ارب پتی کی بیٹی سے عشق کر رہے ہو اور یہ عشق شادی پر ختم ہو سکتا ہے۔"

"کون جانے آگے کیا ہو سکتا ہے۔ میں ایک امیرزادی سے عشق کر رہا ہوں تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تمہاری بیٹی کسی امیرزادے کے ساتھ کہیں بھاگ گئی ہو۔ کسی دن اس کا طلاق کا مطالبہ میرے نام آئے گا اور پتا چلے گا کہ وہ اس سے شادی کرنے والی ہے۔ اس کی عیش و عشرت سے زندگی گزارنے کی جو خواہشات ہیں' وہ پوری ہوں گی۔ آپ مجھ پر کیچڑ اچھالنے سے پہلے اپنے گریبان میں نظر ڈالیں اور اپنی بیٹی کے کرتوت دیکھیں۔"

اس کی ساس نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا "تم کچھ بدلے ہوئے سے نظر آ رہے ہو....."

وہ ایک دم سے سٹپٹا گیا پھر بولا "آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟"

"ہمارا داماد علی سردار کبھی اتنے تلخ لہجے میں گفتگو نہیں کیا کرتا تھا۔ میری بیٹی سے خواہ کتنا ہی جھگڑا ہو جائے' ہم سے بڑے ادب سے بات کیا کرتا تھا۔ تم تو بالکل آندھی طوفان بن کر آئے ہو۔"

پہلے تو وہ گڑبڑایا پھر ایک دم ہنستے ہوئے بولا "جب آپ کی بیٹی چار برس تک میرے ساتھ رہ کر میرے مزاج کو اور میرے کردار کو نہ سمجھ سکی تو اس کی ماں کیا سمجھے گی۔ آپ دونوں پھر ایک بار تھانے جائیں اور میرے خلاف رپورٹ لکھوائیں کہ ایک بہروپیا

علی سردار بن کر آیا تھا۔ آپ لوگوں سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے پلٹ کر وہاں سے چلا گیا۔ ساس اور سسر نے دروازے پر آکر دیکھا اور ایک سڑک کے کنارے ایک بہت ہی خوب صورت اور قیمتی کار کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی اسٹیئرنگ سیٹ پر سارہ بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کا داماد وہاں جاکر اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا اور کار وہاں سے چل پڑی۔ سارہ نے پوچھا "کیا ہوا؟"

"ہونا کیا ہے، میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ حشمت خانم کی گمشدگی سے وہ لوگ مجھ پر شبہ کریں گے۔ وہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ میں نے تم سے شادی کرنے کے لیے اور ارب پتی بننے کے لیے اپنی بیوی کو قتل کردیا ہے۔"

سارہ نے کہا "میں نے تمہیں بتایا تھا کہ تم گھریلو مسائل پر جھگڑا نہیں کرتے ہو۔ ٹھنڈے دماغ سے کام لیتے ہو اور خاص طور پر حشمت خانم کے ماں باپ سے بہت ہی دھیمے لہجے میں گفتگو کرتے ہو۔"

"بس مجھ سے یہی بھول ہوگئی، وہ مجھ سے ایسا برتاؤ کر رہے تھے جیسا ایک قاتل کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ بس میں بھی تیز لہجے میں بولنے لگ گیا... میری ساس کو شبہ ہوا، وہ کہہ رہی تھی کہ میں کوئی بہروپیا ہوں اور علی سردار بن کر آیا ہوں۔"

"یہ تم نے گڑبڑ کردی۔ اب کل سے ڈیوٹی پر جاؤ گے، وہاں بھی کسی معاملے میں گرمی دکھاؤ گے تو لوگ شبہ کریں گے لیکن میں جانتی ہوں کہ تم علی سردار ہو۔ دوسری بار جنم لے کر آئے ہو لیکن یہ تو کوئی نہیں مانے گا۔"

"مجھے اور میری بیوی کو گولی کھا کر مرتے صرف تم نے اور ٹیکسی ڈرائیور نے دیکھا ہے۔ میرے دفتر والے تو یہ نہیں جانتے کہ مجھے گولی لگی ہے اور میں مرچکا ہوں لہٰذا زیادہ سے زیادہ وہ یہ شبہ کرسکتے ہیں کہ میں بہروپیا ہوں تو اس سلسلے میں آئندہ محتاط رہوں گا۔"

"میں تمہاری طرف سے بہت فکر مند رہتی ہوں۔"

"اب اور کیا فکر ہے؟"

"یہی کہ تمہیں پچھلی زندگی سے متعلق معلومات اب تک حاصل نہیں ہوئی ہیں۔ کہیں بھی غلطی کرو گے تو دشمن اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔"

"خواہ مخواہ فکر مت کرو.... ایک طرف برکت مجھے دفتری معاملات کے بارے میں پوری معلومات فراہم کرتا رہتا ہے۔ دوسری طرف تم مجھے بھولی ہوئی باتیں یاد دلاتی رہتی ہو۔ آج ذرا مزاج میں تیزی آگئی تھی آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ تم اطمینان رکھو۔"

"جیسا کہ تم اکثر باتیں بھول جاتے ہو کیا اسی طرح کسی دشمن کو بھول نہیں سکتے؟ کیا تمام دشمن تمہیں یاد ہوں گے؟"

"اگر وہ یاد بھی نہ رہے تب بھی میں ان کے رویے سے پہچان لوں گا۔ تم اطمینان سے سوجاؤ اور میری طرف سے بالکل مطمئن رہو۔"

سارہ نے اس کے چھوٹے سے بنگلے کے سامنے گاڑی روک دی۔ وہ گاڑی سے اتر کر دروازے کو بند کرکے کھڑکی پر جھک کر بولا "اب میں اپنے بنگلے کے اندر جاؤں گا۔ لباس چینج کروں گا پھر بستر پر لیٹ کر تمہیں یاد کرتے کرتے سوجاؤں گا۔"

وہ مسکرا کر بولی "تم کیا سمجھتے ہو۔ میں سونے سے پہلے تمہیں یاد نہیں کرتی ہوں۔"

"بھئی تم تو مجھے اتنا یاد کرتی ہو کہ مجھے خوابوں میں بھی ہچکیاں سی آنے لگتی ہیں اور میں سمجھ لیتا ہوں کہ آپ یاد فرما رہی ہیں۔"

اس بات پر اس نے زوردار قہقہہ لگایا اور پھر کار اسٹارٹ کرکے اسے آگے بڑھادی۔ وہ سڑک کے کنارے کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا۔ جب اس کی کار نظروں سے اوجھل ہوگئی تو وہ اپنے بنگلے کے دروازے پر آیا۔

دروازہ مقفل تھا۔ اس کے پاس چابی تھی لیکن اس نے دروازے کو نہیں کھولا۔ تھوڑی دیر تک وہاں کھڑا کان لگائے کچھ سنتا رہا پھر دبے پاؤں برآمدے سے اتر کر بنگلے کے ایک طرف سے گھومتا ہوا پچھلے دروازے کی طرف گیا۔ وہاں دروازے کے پاس بہت احتیاط سے چلتا ہوا پہنچا، اسے ایک انگلی سے ذرا سا دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ اس نے اسے پوری طرح کھول کر اندر دیکھا... وہ کچن تھا، اس نے دروازے کو آہستگی سے بند کردیا پھر دبے قدموں چلتے ہوئے پہلے بیڈ روم میں آیا وہاں کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور دیوار پر ایک شخص کا سایہ نظر آرہا تھا جو اِدھر سے اُدھر ہورہا تھا۔ کچھ تلاش کررہا تھا۔ اس نے اپنے بیڈ روم کے دروازے کو فوراً بند کرکے باہر سے چٹخنی لگادی تاکہ دوسری طرف جاکر دیکھ سکے کہ اور کتنے لوگ ہیں لیکن دروازہ بند ہوتے ہی برکت کی آواز سنائی دی "کون ہے؟"

اس نے برکت کی آواز پہچانتے ہوئے کہا "تم یہاں کیا کررہے ہو؟"

"دروازہ تو کھولو۔"

"پہلے جواب دو اندر کیسے آئے؟"

"یہ کوئی بڑی بات ہے کیا دروازے کی دوسری چابی بنوائی نہیں جاسکتی؟"

"میرے کمرے میں کیا کررہے ہو؟"

"بھئی دروازہ کھول کر بھی بات کرسکتے ہو۔ کیا میں تمہارا دشمن ہوں۔"

"دشمن تو نہیں ہو مگر دشمن جیسی حرکتیں کررہے ہو۔"

"میں مجبور ہوں مجھے انچارج نے کہا تھا کہ تمہارے بیڈ روم کی تلاشی لی جائے۔"

"ذرا ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ فون کے پاس گیا پھر اس کا ریسیور اٹھا کر ری ڈائل کرنے والا بٹن دبایا۔ دوسری طرف فون کی گھنٹی بجتی رہی پھر کسی نے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو کون؟"

"اوہ تم ابھی کچھ دیر پہلے ایک فون آیا تھا اور میرے پوچھنے کے باوجود کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا اور ریسیور یونہی رکھ دیا تھا۔"

"میں سمجھ گیا "را" والے اس جستجو میں ہیں کہ میں ان کے علاوہ کسی اور ایجنسی سے رابطہ کر رہا ہوں یا نہیں۔ اچھا ہوا کہ اس سے کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ ہی اس نے تمہاری آواز پہچانی ہوگی۔ بس مجھے یہی معلوم کرنا تھا باقی کوئی اہم بات ہوگی تو میں فون پر رابطہ کروں گا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ ڈرائنگ روم سے چلتا ہوا ایک کوریڈور سے گزرتا ہوا پھر اپنے بیڈ روم کے دروازے پر آیا اور ریوالور نکال کر بولا "میں دروازہ کھول رہا ہوں، کوئی چالاکی دکھاؤ گے تو زندہ نہیں جاؤ گے۔"

یہ کہہ کر اس نے چٹخنی اٹھائی اور دروازے کو ایک لات ماری، دروازہ پوری طرح کھل گیا۔ وہ ذرا دور خالی ہاتھ کھڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی کہنے لگا "تم میری تلاشی لے لو میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ میں باس کے حکم سے یہاں آیا ہوں۔"

"ہاں اور آتے ہی تم نے میرے فون کا ری ڈائل والا بٹن دبایا تھا تاکہ معلوم کر سکو کہ میں کتنی اور ایجنسی سے کیا باتیں کر رہا تھا اور کس سے باتیں کر رہا تھا۔"

وہ خاموش رہا۔

پھر اس نے اسے گریبان سے پکڑ کر کھینچا اور کھینچتا ہوا... ڈرائنگ روم میں ٹیلی فون کے پاس لاتے ہوئے بولا "اپنے باس انچارج کو فون کرو۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی، ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے پھر رابطہ ہونے پر کہا "میں برکت بول رہا ہوں۔ انچارج صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

ذرا دیر بعد انچارج کی آواز سنائی دی پھر برکت نے کہا "باس یہ مسٹر کے ملہوترا آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

اس نے برکت سے ریسیور لے کر کان سے لگاتے ہوئے کہا "دھرم راج سکسینہ! تم اپنی حد سے کچھ زیادہ بڑھ رہے ہو۔ جب یہ جانتے ہو کہ کئی ایجنسیوں سے میرے رابطے رہتے ہیں تو برکت کو یہاں جاسوس بنا کر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں بے شک رابطے رکھتا ہوں لیکن میرے ان کے معاملات مختلف ہوتے ہیں اور تم سے جو معاملات ہیں، وہ ان سے مختلف ہیں۔ اگر تم نے آئندہ کوئی گڑبڑ کی اور میرے گھر میں کسی آدمی کو بھیجا یا میرے پیچھے کسی جاسوس کو لگایا تو کل میں ڈیوٹی پر نہیں جاؤں گا۔ تم سے جو معاہدہ ہوا ہے اور جو رقم میں نے پیشگی کے طور پر لی ہے، اسے منسوخ سمجھ لینا۔"

دوسری طرف سے کہا گیا "مسٹر ملہوترا، تم خواہ مخواہ ناراض ہو رہے ہو۔ دیکھو وہ ٹاپ سیکرٹ فائل ہمارے لیے بہت ضروری ہے، اسے حاصل کرنے کے لیے صرف تم سے ہی نہیں بلکہ دوسروں سے بھی کام لیا جا رہا ہے۔ برکت کو بھی ہم نے خاصی رقم دے کر اپنی مٹھی میں رکھا ہے۔ تم ہماری ضرورت کو سمجھو ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں صرف اپنی تسلی کرنا چاہتے ہیں۔"

"اگر تسلی ہوگئی ہو تو میں تمہارے اس جاسوس کو لات مار کر گھر سے نکال دوں؟"

"پلیز دشمنوں جیسا سلوک نہ کرو، ہم دوست ہیں۔ دوست رہیں گے۔ یہ تمام ایجنسیوں والے جانتے ہیں کہ تم جان جوکھم میں ڈال کر ناممکن کو بھی ممکن بنا دیتے ہو اور بے حد ذہین ہو۔ میں تھوڑی سی ذہانت اپنی طرف سے دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ اپنے سامنے والے کو بھی کبھی کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ یاد رکھو کہ تم علی سردار نہیں ہو اگر تم نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی اور اصل فائل ہمارے حوالے نہیں کی تو ہم تمہارا پول کھول دیں گے اور تم ثابت نہیں کر سکو گے کہ علی سردار ہو۔"

"ذرا یہ بھی سمجھا دو کہ کیسے ثابت کرو گے۔"

"ایسے کہ تم علی سردار کی طرح قد آور ہو، اسی کی طرح جسامت ہے۔ اسی کی طرح بولتے ہو لب و لہجہ وہی ہے۔ تمہاری تحریر تمہارے دستخط بالکل ایک جیسے ہیں لیکن تمہاری ایک بہت بڑی کمزوری ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

"کون سی کمزوری؟"

"اب ہم اتنے احمق نہیں ہیں کہ تمہیں بتا دیں لیکن جب وہ کمزوری سامنے آئے گی تو تمہاری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور تم خود کو آہنی سلاخوں کے پیچھے دیکھو گے۔"

اس نے جواب نہیں دیا بلکہ سوچنے لگا کہ وہ کمزوری کیا ہو سکتی ہے؟ اس کا خیال سارہ فردوسی کی طرف جا رہا تھا لیکن اس نے اس خیال کو دماغ سے نکال دیا۔ سارہ فردوسی صرف دولت کی وجہ سے اہم تھی وہ نہ بھی ملتی تو کوئی فرق نہ پڑتا لیکن ہو سکتا تھا کہ کوئی اور کمزوری ان کے ہاتھ میں ہو لہٰذا دشمنی کرنا مناسب نہیں تھا، اس نے کہا "اچھی بات ہے۔ مسٹر دھرم راج سکسینہ ہم دوست ہیں دوست ہی رہیں گے۔ کل میں ڈیوٹی پر جا رہا ہوں اور تمہارا برکت وہاں مجھے گائیڈ کرے گا۔ ڈیٹس آل!"

اس نے ریسیور رکھ دیا پھر برکت کی گردن پکڑ کر اسے دھکیلتے ہوئے کچن میں آیا اور بولا "اب یہاں سے جاؤ پھر کبھی یہاں آنے کی غلطی نہ کرنا۔"

وہ دروازہ کھول کر چلا گیا۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ اسے یقین تھا کہ برکت کو وہاں سے کوئی ایسا ثبوت نہیں ملا ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ ٹاپ سیکرٹ فائل کے بارے میں کسی اور ایجنسی سے سودا کر چکا ہے۔ وہ ایسی اہم چیزیں وہاں نہیں رکھتا تھا۔

○☆○

وہ دوسرے دن انٹیلی جینس ڈپارٹمنٹ کے سامنے سرکاری گاڑی میں آیا۔ برکت نے اس کے ماتحت کی حیثیت سے اس کے لیے دروازہ کھولا۔ وہ دروازے سے باہر آیا پھر اندر آکر پہلے انٹیلی جینس کے ڈائریکٹر جنرل سے ملاقات کی۔ اس کے بعد انٹیلی جینس کے چیف سے ملاقات کرکے ان دونوں سے دفتری معاملات میں تھوڑی دیر گفتگو کی پھر باہر آیا۔ وہاں برکت کھڑا ہوا تھا۔ وہ اس کے پیچھے چلنے لگا۔ اس عمارت کے مختلف حصوں سے گزرنے کے بعد وہ اس شعبے میں پہنچے جہاں خفیہ اہم دستاویزات کا ریکارڈ روم تھا وہاں تک پہنچنے کے لیے دو آہنی سلاخوں والے دروازے تھے۔ پہلے دروازے پر اپنی شناخت پیش کرنی پڑتی تھی۔ کاغذات دکھانے پڑتے تھے۔ اس نے وہ تمام کاغذات دکھائے پھر وہاں سے گزر کر دوسرے دروازے پر آیا وہاں بھی اس نے کاغذات دکھائے۔ ایک رجسٹر پر دستخط کیے پھر دوبارہ برکت کے ساتھ ریکارڈ روم کے اندر آگیا۔

اتنی سازشیں اتنی کوششیں کرنے کے بعد وہ اسی روم میں آگیا جہاں سے اس ٹاپ سیکرٹ فائل کو چرایا گیا تھا اور پھر ناکامی ہوئی تھی۔ اس بار کامیابی یقینی تھی۔ علی سردار اس کمرے میں آکر پہلے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہی دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر سر جھکا کر زیر لب ایک قرآنی آیت پڑھتا تھا۔ وہاں خفیہ کیمرے تھے اور ساؤنڈ ریکارڈنگ کا بھی انتظام تھا۔ اس لیے جو کچھ وہاں ہوتا تھا، وہ مانیٹر کے ذریعے دیکھا جاتا تھا اور جو باتیں کی جاتی تھیں، وہ صاف طور پر دوسرے کمرے میں سنائی دیتی تھیں۔ مانیٹر والے کمرے کے سبھی اسٹاف علی سردار کی اس عادت کو جانتے تھے۔ اس وقت بھی وہ اپنی اسی عادت کے مطابق میز پر دونوں ہاتھ رکھ کر سر جھکا کر زیر لب کچھ پڑھنے لگا کیونکہ زیر لب پڑھ رہا تھا اس لیے اس کی آواز ساؤنڈ ریکارڈنگ مشین کے ذریعے کیچ نہیں کی جارہی تھی۔

پڑھنے کے بعد اس نے سر اٹھا کر ادھر ادھر کمرے میں ان تمام الماریوں کو دیکھا جن میں بہت اہم خفیہ فائلیں رکھی ہوئی تھیں پھر اس نے اپنے سامنے رکھی ہوئی فائلوں میں سے ایک رجسٹر اٹھانا چاہا تو اس کی میز کے قریب کھڑے ہوئے برکت نے کھنکارتے ہوئے اپنا پیر کھجانے کے بہانے جوتے کی طرف اشارہ کیا تب اسے یاد آیا کہ علی سردار کچھ پڑھنے کے بعد کوئی دوسرا کام کرنے سے پہلے اپنے جوتے کے فیتے ڈھیلے کیا کرتا تھا۔ وہ بھی یہی کرنے لگا۔

انہوں نے سب کچھ اچھی طرح معلوم کرلیا تھا اور اس بات کا بھی انتظام کیا تھا کہ اگر کے ملہوترا سے کوئی غلطی ہو تو برکت اسے درست کرے، گائیڈ کرتا رہے اور ایسے اشارے کرے کہ اس کی غلطی سمجھ میں نہ آسکے۔

اس کے علاوہ یہ انتظامات کیے گئے تھے کہ وہاں کی بجلی سپلائی کرنے والوں کو بہت بڑی رقم دے کر کہا گیا تھا کہ ایک دن میں کم از کم ایک دو بار لوڈشیڈنگ کی جائے تاکہ وہاں بالکل تاریکی چھا جائے پھر کیمرے، ساؤنڈ ریکارڈنگ مشین وغیرہ کام نہ کرسکے اور مانیٹر کے

ذریعے کچھ نظر نہ آسکے۔ ایسے وقت کے ملہوترا اور برکت ایک موم بتی جلا کر فائلیں چیک کرسکتے تھے۔

جب تک وہاں بجلی تھی، ملہوترا ایک رجسٹر کھول کر اپنی چھٹیوں کے دوران میں ڈیوٹی کرنے والوں کے متعلق پڑھتا رہا اور ان کی رپورٹوں کے ذریعے معلوم کرتا رہا کہ وہاں کون کون اہم فائلیں لینے کے لیے آتا جاتا رہا ہے پھر وہ فائلیں واپس رکھ کر واپسی کے دستخط کرتا رہا تھا۔

کئی گھنٹوں کے بعد جب لوڈشیڈنگ ہوئی، اچانک تاریکی چھائی تو ان دونوں نے دو موم بتیاں جلائیں، چابیوں کے دو گچھے لیے اور الگ الگ الماریوں کی طرف جا کر انہیں کھول کر ان کی درازوں سے فائلیں نکال کر چیک کرنے لگے۔ دس منٹ کے بعد برکت نے آہستگی سے کہا "ادھر فائل نہیں ہے۔"

ادھر سے اس نے کہا "فائل ادھر بھی نہیں ہے لیکن یہیں ہونی چاہیے۔ میرا خیال ہے انہوں نے فائل کا نمبر بدل دیا ہے۔"

وہ دھیمی آواز میں بولتے رہے اور اس اہم فائل کو تلاش کرتے رہے۔ بیس منٹ گزرنے کے بعد ملہوترا نے کہا "واپس میز کی طرف چلو اب لائٹ آنے والی ہے۔"

وہ دونوں پھر اپنی جگہ واپس آگئے۔ موم بتی بجھا کر رکھ دی ان موم بتیوں کے متعلق سوالات نہیں کیے جاسکتے تھے کیونکہ وہ ہمیشہ رکھی رہتی تھیں تاکہ کبھی لوڈشیڈنگ ہو تو موم بتی جلائی جاسکے اور ریکارڈ روم میں بیٹھنے والے تاریکی میں بیزار نہ ہوتے رہیں۔

اس روز ناکامی ہوئی برکت نے انچارج تک خبر پہنچا دی کہ بیس منٹ کی لوڈشیڈنگ میں کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ فائلیں زیادہ ہیں انہیں چیک کرنے میں کافی وقت لگے گا۔ اب جہاں تک چیکنگ ہوسکی ہے، اس کے بعد دوسری الماریوں کی فائلیں آئندہ لوڈشیڈنگ کے وقت چیک کی جائیں گی لیکن روزانہ لوڈشیڈنگ ہوتی تو شبہ ہوسکتا تھا۔ لہٰذا انہیں دو دن اور انتظار کرنا پڑا پھر ایک دن لوڈشیڈنگ ہوئی، برکت نے موم بتیاں جلا کر کہا "آپ میری طرف کی الماریاں چیک کریں۔ میں آپ کی طرف کی الماریاں چیک کرتا ہوں۔"

وہ دونوں اسی کے مطابق اپنا کام کرنے لگے۔ برکت نے ایک الماری کھول کر ایک دراز میں سے جب ایک فائل کو کھول کر دیکھا تو پتا چلا کہ اس میں سے کاغذات غائب ہیں۔ صرف خالی فائل

رکھی ہوئی ہے۔

اس نے ملہوترا سے کہا "یہ دیکھو.... یہ کیا ہے۔ یہ کس نے ایسا کیا ہوگا' فائل خالی کیوں ہے؟"

ملہوترا نے کہا "تم تو مجھ سے ایسے پوچھ رہے ہو جیسے میں نے اس فائل کو خالی کیا ہے اور کاغذات نوچ کر لے گیا ہوں۔ میں تو تمہارے سامنے ہی ہوں اور تین دن سے تمہارے ساتھ یہاں آتا جاتا ہوں۔"

"پوچھنے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میں تم پر شبہ کررہا ہوں کہ تم اس میں سے کاغذات لے گئے ہو۔ لے جاتے تو مجھے معلوم ہوجاتا مگر ایسا کیوں ہے؟"

انہوں نے فائل کا نمبر دیکھا پھر کہا "نمبر بھی بدلا ہوا ہے۔ شاید نمبر کے علاوہ اس کا کوڈ نیم بھی بدل گیا ہے۔ تاکہ دوبارہ چوری نہ کی جاسکے۔"

"مجھے بھی کچھ ایسا ہی شبہ ہورہا ہے۔"

وہ دونوں پھر میز کے پاس آگئے۔ موم بتی کو جلتے رہنے دیا۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئے اور برکت میز کے پاس کھڑا رہا۔ جب بجلی آئی تو انہوں نے موم بتیاں بجھادیں پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئے۔

برکت نے اس رات انچارج تک خبر پہنچادی کہ اسے ملہوترا پر شبہ ہورہا ہے وہ چالاکی دکھا رہا ہے۔ دوسری کسی ایجنسی سے بھی سودا کرچکا ہے۔ اس نے اس خالی فائل کے متعلق انچارج کو وہ تمام باتیں بتائیں اور کہا "وہ فائل ایسے ہی خالی نہیں رہ سکتی۔ ملہوترا بڑی چالاکی سے وہ کاغذات نکال کرلے گیا ہے۔"

انچارج نے پوچھا "وہ تمہاری موجودگی میں اتنا بڑا کام کیسے کرگیا؟"

"آپ سمجھنے کی کوشش کریں' اس وقت تاریکی تھی صرف دو موم بتیاں جل رہی تھیں۔ ایک موم بتی لیے وہ ایک سمت الماری کے پاس گیا تھا اور دوسری سمت میں تھا۔ دوسری الماری میں اس فائل کو تلاش کررہا تھا۔ میرا خیال ہے وہ پہلے ہی دن اپنا کام دکھا چکا ہے۔"

ادھر لوڈشیڈنگ کے بعد جب بھی بجلی آتی تھی تو ملہوترا ایک الماری کھول کر فائلوں کو چیک کرتا تھا۔ تاکہ مانیٹر میں دیکھا جاسکے کہ وہ ڈیوٹی کا دوبارہ چارج لینے کے بعد تمام فائلوں کو اپنے فرض کے مطابق چیک کررہا ہے۔ تیسرے دن اس نے اطلاع دی کہ ایک الماری کی دراز میں جو فائل رکھی ہوئی ہے' وہ خالی ہے اس رپورٹ کے ساتھ ہی ایک ہنگامہ سا برپا ہوگیا۔ ڈائریکٹر جنرل اور انٹیلی جنیس کا چیف اور دوسرے افسران سب دوڑے ہوئے ریکارڈ روم میں آئے اور اس فائل کو دیکھنے لگے۔ ڈائریکٹر جنرل نے کہا "اوہ! گاڈ' یہ تو وہی فائل ہے جو چوری کی گئی تھی۔ ہم نے اس کا نمبر اور کوڈ نیم بدل دیئے تھے۔ اس کے باوجود اس کے اندر کے تمام کاغذات کیسے غائب ہوگئے؟"

ملہوترا نے کہا "میں تو جب سے ڈیوٹی پر آیا ہوں تین دن سے ایک ایک الماری کی فائلز چیک کررہا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ یہاں کتنا ذخیرہ ہے ڈھونڈتے ڈھونڈتے آج یہ فائل میرے ہاتھ لگی ہے اور اسے دیکھتے ہی میں نے آپ کو انفارم کیا ہے۔"

اس کے بعد سختی سے کارروائی شروع کی گئی۔ ملہوترا کی غیر موجودگی میں جو افسران وہاں ڈیوٹی دیتے تھے ان سب کو بلایا گیا ان سے وضاحت طلب کی گئی اور ملہوترا سے بھی کہا گیا "تم نے اس کے کاغذات کے غائب ہونے کی اطلاع تین دن بعد دی ہے۔ تم بھی مشکوک ہو لہٰذا تمہیں بھی وضاحت کرنی ہوگی۔"

ملہوترا نے کہا "میں ہر طرح سے وضاحت کرسکتا ہوں اور مانیٹر کے سامنے بیٹھنے والے بھی اس بات کی گواہی دیں گے کہ میں روز الماریاں چیک کرتا تھا۔ ایک ایک فائل دیکھتا تھا اور جس دن وہ فائل خالی ملی' اس دن مانیٹر میں بھی اس خالی فائل کو دیکھا گیا ہوگا۔"

کے ملہوترا کی وضاحت اتنی واضح تھی کہ اس پر چوری کا الزام عائد نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اس رات "را" کے انچارج نے فون پر رابطہ کیا پھر پوچھا۔ "ملہوترا یہ تم کون سا نیا کھیل' کھیل رہے ہو؟"

"جو کھیل تم نے کہا تھا وہی کھیل رہا ہوں۔ میں نے پہلے ہی دن کاغذات غائب کردیئے تھے برکت کو بھی نہیں بتایا تھا ابھی یہ معاملہ گرم ہے۔ انٹیلی جنیس ڈپارٹمنٹ میں بڑا ہنگامہ برپا ہے۔ اسے ذرا ٹھنڈا ہونے دیجئے پھر میں وہ کاغذات آپ کے حوالے کردوں گا۔"

"انٹیلی جنیس ڈپارٹمنٹ میں کہرام مچا ہوا ہے۔ اس سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں ہے ہم تو سب کچھ خفیہ طور پر کررہے ہیں اور تم خفیہ طور پر وہ کاغذات ہمارے پاس لاسکتے ہو۔"

"آپ اتنے بے چین کیوں ہیں۔ میں ان کاغذات کو پڑھ چکا ہوں وہ بالکل اصلی ہیں۔"

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں پہلی فرصت میں ہمارے حوالے کردو۔ ورنہ ہم یہی سمجھیں گے کہ تم کسی دوسری ایجنسی سے بھی سودا کررہے ہو۔"

"دیکھو مسٹر دھرم راج سکسینہ' میں تمہاری "را" ایجنسی کا ملازم یا سراغ رساں نہیں ہوں۔ فری لانسر ہوں جس سے چاہوں سودا کرسکتا ہوں۔ مجھے کوئی روک نہیں سکتا لیکن میں نے آپ سے ایڈوانس لیا ہے اس لیے آپ ہی کو وہ کاغذات دوں گا لیکن صبر کریں' میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔"

"جب کاغذات حاصل ہوچکے ہیں اور کسی کو کچھ پتا نہیں چلا ہے تو پھر خطرہ کیسا؟"

"اس سے پہلے بھی تمہارے ایک سراغ رساں نے پوری فائل چوری کی تھی اور کسی کو پتا نہیں چلا تھا۔ اچانک معلوم ہوا کہ

وہ ائرپورٹ پر گرفتار کرلیا گیا ہے۔ میں ایسی کوئی غلطی نہیں کرنا چاہتا۔ انہوں نے بظاہر مجھے الزامات سے بری کردیا ہے لیکن میں خوب سمجھتا ہوں کہ وہ درپردہ میری نگرانی کررہے ہوں گے۔ اگر آپ کو مجھ پر بھروسا ہے تو خاموش بیٹھے رہیں۔"

انچارج دھرم راج سکینہ کے مشیروں اور ماتحتوں نے سمجھایا کہ وہ دیر کررہا ہے مگر درست کررہا ہے۔ پہلے بھی ہم کامیاب ہوکر ناکام ہوچکے ہیں۔ اس ناکامی سے کچھ سبق حاصل کرنا چاہیے۔

دوسری رات انچارج نے اس سے پھر رابطہ کیا اور کہا "تمہارا محتاط رہنا اچھی بات ہے لیکن اس کی کوئی مدت ہوتی ہے۔ تم کیوں خواہ مخواہ ہمیں شبہے میں مبتلا کررہے ہو۔ تمہیں پتا ہے کہ تم سی‘ بی‘ آئی والوں سے رابطہ کررہے ہو اور اسی سلسلے میں معاملات طے کررہے ہو۔"

"میں نے جو کہنا تھا وہ کہہ دیا۔ میں تمہارے پہلے سراغ رسانوں کی طرح حماقت کرکے یہاں گرفتار ہونا نہیں چاہتا۔"

"دیکھو طہورترا اگر تم کوئی چال چل رہے ہو تو وہ چال تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔"

"آپ اس سے پہلے بھی دھمکیاں دے چکے ہیں کہ میری کوئی کمزوری آپ کے ہاتھ میں ہے لیکن یہ بھول گئے کہ آپ کی کمزوریاں بھی میرے ہاتھ میں ہیں۔ میں ثابت کرسکتا ہوں کہ آپ یہاں عبداللہ رشید کے نام سے رہتے ہیں اور خود کو اپوزیشن پارٹی کا بہت بڑا لیڈر کہتے ہیں اور تاجر کی حیثیت سے بھی خود کو مشہور کر رکھا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ آپ کا نام دھرم راج سکینہ ہے اور آپ "را" تنظیم کے انچارج ہیں۔"

"بے شک میں یہ سب کچھ ہوں لیکن تم ثابت کیسے کروگے۔ یہاں آٹھ برس سے باعزت شہری اور ایک معزز سیاسی لیڈر کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہوں اور سبھی جانتے ہیں کہ میرا نام عبداللہ رشید ہے‘ دھرم راج سکینہ نہیں...."

"جب تم دھرم راج سکینہ نہیں ہو "را" تنظیم کے انچارج نہیں ہو تو پھر میں ان کاغذات کو تمہارے حوالے کیسے کرسکتا ہوں۔ میں کسی سیاسی لیڈر عبداللہ رشید کو یہ کاغذات نہیں دوں گا۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ میں تو دنیا والوں کے سامنے‘ پاکستانی حکومت کے سامنے عبداللہ رشید ہوں اور تم مجھے اچھی طرح دھرم راج سکینہ کی حیثیت سے جانتے ہو۔"

"مگر میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں تو پھر عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟ کیوں چاہتے ہو کہ تمہارے پہلے سراغ رساں کی طرح میں بھی گرفت میں آجاؤں اور جب تمہیں میری گرفتاری کا علم ہو تو یہاں سے خود فرار ہوجاؤ۔"

"ہم سے پیشگی رقم لیتے وقت مجھے اور میرے زونل افسر کو اچھی طرح پہچان رہے تھے۔ اب مال دینے کا وقت آیا ہے تو ایسی باتیں کررہے ہو۔"

"میں بہت محتاط ہوکر کہہ رہا ہوں تاکہ اپنا بچاؤ کرسکوں اور تم لوگ مجھے چھوڑ کر یہاں سے بھاگ نہ سکو۔ اگر ہم پکڑے جائیں گے تو سب پکڑے جائیں گے ورنہ سب ہی یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ مجھے یہ رسید لکھ کردو کہ تم "را" کے انچارج دھرم راج سکینہ ہو اور تمہارے زونل افسر کا نام امرناتھ ہے‘ وہ بھی ایک مسلمان بن کر یہاں رہتا ہے۔ تب میں تم دونوں کے سامنے وہ کاغذات پیش کروں گا۔"

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر اس نے کہا "اچھی بات ہے۔ تم کاغذات لے کر آؤ۔ ہم رسید لکھ کردیں گے۔"

"مجھے بچہ نہ سمجھنا۔ جب میں تمہارے بنگلے میں آؤں گا تو اپنی تلاشی نہیں دوں گا کیونکہ میرے پاس ہتھیار ہوگا اور میں پوری سیکیورٹی کے ساتھ آؤں گا کیونکہ تم بھی نہتے نہیں ہوگے۔ تم نے بھی بہت سے انتظامات کیے ہوں گے۔ تمہیں اور ایک چتاونی دے رہا ہوں کہ دھوکے سے مجھے ایک بھی گولی ماروگے تو جواب میں گولیوں کی آوازیں اتنی ہوں گی کہ پورا شہر جاگ جائے گا۔ سب کو پتا چل جائے گا کہ وہ بنگلا کس کا ہے اور اس بنگلے کا رہنے والا کون ہے۔"

"میں مانتا ہوں‘ تم بہت چالاک ہو۔ میں ایسی کوئی حماقت نہیں کروں گا۔ تم کاغذات لے کر آؤ۔"

"آخری بات ایک اور سن لو‘ کاغذات اصل نہیں دوں گا ان کے "ڈپلیکٹس" ہوں گے۔ یہ ایک طرح کی ریہرسل سمجھ لو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ واقعی ایمانداری سے کاغذات وصول کرکے مجھے میرے باقی پانچ لاکھ روپے دوگے کہ نہیں۔ اگر تم نے ایمانداری دکھائی‘ میری رقم مجھے دے دی تو اصل کاغذات میں دوسرے دن تمہارے حوالے کردوں گا۔"

وہ غصے سے جھنجلا کر بولا "تم بہت چالاک بن رہے ہو۔ میں جانتا ہوں اصل کاغذات تم نے سی۔ بی۔ آئی والوں کو دیے ہیں اور ان سے بھی بہت بڑی رقم وصول کی ہے۔"

"شک کا علاج کسی کے پاس نہیں ہوتا۔ اصل کاغذات میرے پاس ہیں اور وہ تمہیں دوں گا لیکن جس طرح میں محتاط رہ کر کام کرنا چاہتا ہوں اور جو میرا طریقہ کار ہے اسی کے مطابق کام کروں گا۔ تمہیں منظور ہے تو بولو کل کس وقت تمہارے بنگلے میں آؤں؟"

"میں اپنے بنگلے میں تم سے نہیں ملوں گا۔"

"میں کسی اور جگہ نہیں ملوں گا کیونکہ تم اپنے بنگلے کو اور اپنی فیملی کو محفوظ رکھنے کی خاطر وہاں مجھ سے ملاقات نہیں کروگے کہیں

دوسری جگہ دھاندلی کرو گے۔ لہٰذا ملاقات ہوگی تو تمہارے ہی بنگلے پر ہوگی۔"

وہ پھر سوچ میں پڑ گیا اور جھنجلا کر بولا "ٹھیک ہے۔ کل رات آٹھ بجے میرے بنگلے پر آجاؤ مگر زیادہ سیکیورٹی لاؤ گے تو آس پاس کے لوگوں کو شبہ ہوگا۔"

"میں اپنی سیکیورٹی کے بارے میں تم سے زیادہ جانتا ہوں اور محتاط رہنا بھی جانتا ہوں۔ کسی کو وہم و گمان بھی نہیں ہوگا کہ اندر ہی اندر ہمارے درمیان کیا سودا ہو چکا ہے۔ ہم کب آئے اور کب گئے کسی کو خبر نہیں ہوگی۔"

"ٹھیک ہے کل رات آٹھ بجے آجاؤ۔ میں اپنے زونل افسر اور خاص ماتحتوں کے ساتھ تمہارا انتظار کروں گا۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ دوسری صبح کال بیل کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی' اس نے دروازے کے پاس آکر پوچھا "کون ہے؟"

دوسری طرف سے سارہ کی آواز سنائی دی "میں ہوں جناب دروازہ کھولیں۔"

اس نے دروازہ کھول دیا۔ وہ مسکرا کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے بولی "اچھا تو آپ ابھی تک سو رہے تھے؟"

"ہاں پچھلی رات بہت زیادہ مصروف رہا اس لیے نیند پوری کر رہا تھا اچھا ہوا تم آگئیں ورنہ سوتا ہی رہ جاتا' آؤ بیٹھو میں ابھی شاور لے کر آتا ہوں۔"

وہ آکر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئی۔ وہ باتھ روم میں چلا گیا۔

وہ اس کی واپسی تک صوفے سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں ٹہلنے لگی۔ وہاں کی چیزیں دیکھنے لگی۔ ایک میز کے پاس آکر دیکھا تو ایک پرانے اخبار کے ایک پورے صفحے پر جگہ جگہ علی سردار بھٹی کے دستخط کیے ہوئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ دستخط کرتا جارہا ہو اور ہر دستخط کا دوسرے دستخط سے موازنہ کرتا رہا ہو۔

اس نے اس اخبار کو اٹھا کر دیکھا۔ جگہ جگہ اس کے دستخط دیکھ کر مسکرائی پھر اسے ایک طرف رکھ دیا پھر دیوار پر لگی ہوئی ایک پینٹنگ دیکھنے لگی۔ بہت سے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اخبارات پر یا کسی ایسے ویسے کاغذات پر اپنے دستخط کرتے رہتے ہیں شاید ایسی ہی عادت علی سردار کی تھی۔ یوں بھی وہ کوئی جاسوسہ نہیں تھی کہ کسی گہرائی سے ان دستخطوں کے بارے میں سوچتی۔

وہ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر لباس پہن کر ڈرائنگ روم میں آیا پھر پوچھا "اب کیا ارادہ ہے؟"

"تم بولو اس لیے کہ تمہاری ڈیوٹی کا کچھ پتا نہیں ہوتا کبھی جاتے ہو' کبھی نہیں جاتے آج کل تو دو دنوں سے دن رات میرے ساتھ گھومتے پھرتے ہو اور کہتے ہو کہ پھر چھٹی لی ہے۔"

"کیا میں غلط کہتا ہوں؟"

دونوں باتیں کرتے ہوئے باہر آئے' دروازے کو لاک کیا پھر وہ کار کی طرف جاتے ہوئے بولی "بھئی تم جاسوس ہو اپنے سائے سے بھی سرکاری راز چھپاتے ہوگے۔ پہلے حشمت خانم تمہارے ساتھ رہتی تھی اسے بھی کچھ نہیں بتاتے ہوگے۔ ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں ٹھیک ہے لیکن میں تم سے کچھ نہیں چھپا رہا۔"

وہ کار میں بیٹھ کر جانے لگے۔ سارہ نے پوچھا "اس کا مطلب یہ ہے کہ تم آج بھی میرے لیے فری ہو۔"

"بالکل فری ہوں دن کو بھی اور رات کو بھی۔"

"بس رہنے دو' اچانک فون آئے گا کہ سرکار کی طرف سے بلاوا آیا ہے اور تم میرا ساتھ چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔"

"ساتھ چھوڑ کر چند گھنٹوں کے لیے جاتا ہوں۔ ہمیشہ کے لیے تو نہیں جاتا۔"

وہ ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال کر دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ کر بولی "خدا نہ کرے اب بھی ہمیشہ کے لیے جاؤ۔ بس جو خواب دیکھتی تھی وہ پورا ہوگیا۔ اب دوسری بار ایسا نہ ہو۔"

○☆○

رات کے آٹھ بجے سے کچھ دو یا تین منٹ پہلے بجلی چلی گئی۔ دھرم راج سکینہ اپنے زونل افسر اور دوسرے ماتحتوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے چونک کر کہا "یہ کیا ہوگیا پھر زونل افسر سے بولا "فوراً الیکٹریکل انجینئر اکبر حسین سے رابطہ کرو اس سے کہو ہر حال میں ابھی یہاں بجلی پہنچنی چاہیے۔ آخر ہم اسے کس بات کے لیے بڑی رقمیں دیتے ہیں۔"

زونل افسر نے فون کیا' دوسری طرف سے کسی دوسرے افسر نے کہا "مسٹر اکبر حسین ڈیوٹی پر نہیں ہیں' ان کی ڈیوٹی کل صبح سے ہے۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا پھر اکبر حسین کے گھر کے نمبر ڈائل کیے۔ فون کی گھنٹی بجتی رہی لیکن کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا۔ وہ بڑی دیر تک انتظار کرتا رہا پھر ریسیور رکھ کر بولا..."اکبر حسین کے گھر کے فون پر گھنٹی بج رہی ہے لیکن کوئی اٹھا نہیں رہا ہے۔"

دھرم راج سکینہ نے کہا "مجھے کچھ گڑ بڑ لگتی ہے۔ یہ طھورا بہت ہی مکار ہے ضرور کوئی چال بازی کر رہا ہے۔"

زونل افسر نے کہا "یہ چالاکی اس نے ہم سے سیکھی ہے جب وہ ریکارڈ روم میں رہتا تھا تو ہم بھی لوڈ شیڈنگ کراتے تھے۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی' زونل افسر نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے الیکٹریکل انجینئر اکبر حسین کی آواز سنائی دی' اس نے پوچھا "کیا آپ نے ابھی فون کیا تھا؟"

"ہاں بڑی دیر تک فون کی گھنٹی بجتی رہی مگر آپ نے ریسیور نہیں اٹھایا تھا۔"

"سو... سوری' میں اس وقت ٹائلٹ میں تھا۔ بات کیا ہے؟"

"ہمارے عبداللہ رشید صاحب (دھرم راج سکینہ) کے علاقے میں بجلی گئی ہوئی ہے۔ فوراً اسے بحال کرا دو۔ ابھی ایک منٹ میں۔"

"کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ وہ ابھی بحال ہو جائے گی۔"

رابطہ ختم ہوا۔ پانچ منٹ کے بعد ہی بجلی آگئی۔ دھرم راج سکینہ نے ہنستے ہوئے کہا "آدمی کو جوتے مارو تو وہ غصہ دکھاتا ہے لیکن چاندی کے جوتے مارو تو جی حضوری کرتا ہے اور ہر حکم بجالاتا ہے۔ اگر ملہوترا کوئی چالاکی دکھا رہا تھا تو اس میں ناکام ہو چکا ہے۔"

کال بیل کی آواز سنائی دی۔ ایک ماتحت نے آگے بڑھ کر پوچھا "کون ہے؟"

"دروازہ کھولو پولیس ہے۔"

یہ سنتے ہی سب نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اسے تو کھولنا ہی پڑا۔ جب دروازہ کھلا تو انہیں انٹیلی جنس کا ڈائریکٹر جنرل نظر آیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انٹیلی جنس کا چیف بھی تھا اور دوسرے مسلح ماتحت بھی۔ وہ سب اندر آگئے۔ وہ سب اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ ڈائریکٹر جنرل ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ دوسرے صوفے پر انٹیلی جنس کے چیف نے بیٹھتے ہوئے کہا "جتنی دیر تک بجلی گئی۔ اتنی دیر میں تمہارے چھپے ہوئے مسلح آدمی اپنی پوزیشن بدلنے لگے تھے۔ ایسے وقت وہ گرفتار ہو گئے۔"

دھرم راج سکینہ نے حیرانی ظاہر کرتے ہوئے کہا "یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ ہمارے مسلح آدمی یہاں کہاں ہوں گے؟ اور کیوں ہوں گے؟ میں ایک سیاسی لیڈر ہوں سیکیورٹی کے لیے صرف دو مسلح گارڈز رکھتا ہوں۔"

"کیا واقعی تمہارا نام عبداللہ رشید ہے؟ اور تم مسلمان ہو؟"

"جناب آپ عجیب باتیں کر رہے ہیں۔ میں ایک عرصے سے یہاں آباد ہوں۔ سارا علاقہ اور میرے ووٹرز مجھے جانتے ہیں۔"

"ہاں عوام تو دھوکا کھانے کے لیے ہی ہوتے ہیں مگر ہم پردہ اٹھانے کے لیے یہ وردی پہنتے ہیں۔"

اس نے ایک مسلح ماتحت سے کہا "وہ کیسٹ ریکارڈر لاؤ اور انہیں سناؤ۔"

اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ ایک کیسٹ ریکارڈر لا کر رکھا گیا پھر اسے آن کیا۔ تھوڑی دیر بعد اس میں سے گفتگو کی وہ آوازیں ابھرنے لگیں جو پچھلی رات ملہوترا اور دھرم راج سکینہ کے درمیان فون کے ذریعے ہوئی تھیں۔ دھرم راج سکینہ زونل افسر اور دوسرے ماتحت وہ گفتگو سن رہے تھے اور خوف زدہ ہو رہے تھے۔ جب وہ گفتگو ختم ہوگئی تو ریکارڈر کو بند کر دیا گیا۔ دھرم راج سکینہ نے کہا "یہ آواز میری ہی لگتی ہے لیکن میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میری نہیں ہے۔ کسی نے آواز کی نقل کی ہے پھر یہ کہ میں کبھی گھر کا فون استعمال نہیں کرتا ہمیشہ موبائل پر باتیں کرتا ہوں پھر میری آواز اس طرح کیسے ریکارڈ ہو سکتی ہے۔"

"جس سے تم نے گفتگو کی تھی۔ اس نے اپنے گھر کے فون سے تمہارے ساتھ وہ گفتگو جاری رکھی تھی اور ہم نے اسے ریکارڈ کر لیا تھا۔"

وہ بولا "جناب آپ اتنی سی بات پر کیا پوری فوج لے کر مجھے گرفتار کرنے آئے ہیں۔ کیا عدالت اس بات کو تسلیم کرے گی کہ کیسٹ میں ریکارڈ کی ہوئی آواز کسی مجرم کی ہی ہو سکتی ہے۔ اس کی آواز کی نقالی نہیں ہو سکتی؟"

"عدالت میں ثابت کرنا ہمارا کام ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم سب اپنے اصلی نام اور اصلیت بتا دو۔ اس چار دیواری کی بات چار دیواری میں رہے گی۔"

"آپ خواہ مخواہ ہم سے ایسی باتیں اگلوانا چاہتے ہیں جن کا تعلق ہم سے نہیں ہے۔"

ڈائریکٹر جنرل نے کہا "میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ اس لیے خود بتا دیتا ہوں تم "را" تنظیم کے انچارج ہو، تمہارا نام دھرم راج سکینہ ہے اور یہ زونل افسر ہے اس کا نام امرناتھ ہے اور یہ باقی چار ماتحت بھی تمہاری طرح "را" سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"کیا آپ کہہ دیں گے تو یہ سچ ہو جائے گا۔"

"ہاں، بالکل سچ ہو جائے گا اور ابھی ہوگا۔"

پھر ڈائریکٹر جنرل نے اپنے مسلح ماتحتوں سے کہا "دھرم راج سکینہ اور امرناتھ کے لباس اتارو۔"

وہ دونوں پیچھے ہٹ کر بولے "یہ کیا حرکت ہے۔ ہمارا لباس کیوں اتارا جائے گا۔ کیا ہم کوئی مجرم ہیں۔ ہم معزز شہری ہیں۔ مجھے اپنے پارٹی لیڈر سے بات کرنے دیجئے۔"

"کسی پارٹی لیڈر سے بات نہیں ہوگی۔ یہاں صرف میرا حکم چلے گا۔ یہاں میرے حکم کی تعمیل نہیں ہوئی تو میں تم سب کو باہر لے جا کر سڑکوں پر ننگا کر کے گھماتا پھروں گا کیا پھر معزز رہو گے۔"

زونل افسر اور انچارج ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ وہ بُری طرح سہمے ہوئے تھے۔ اور پریشان ہو رہے تھے۔ مسلح ماتحتوں نے ان کے قریب آکر ان کے اوپری لباس کو رہنے دیا مگر نچلے لباس کو جبراً اتار دیا۔ لباس اترتے ہی جیسے پردہ اٹھ گیا۔ وہ مسلمان بنے ہوئے تھے لیکن ان کی مسلمانی نہیں ہوئی تھی۔ ڈائریکٹر جنرل نے کہا "پہلی بار ہماری ٹاپ سیکرٹ فائل کو چرایا گیا تھا۔ وہ بات سفارتی سطح پر سمجھوتا کرنے کے انداز میں ختم کر دی گئی تھی۔ اب دوسری بار اسے چرانے کی کوشش کی گئی۔ یہ بتاؤ کہ اس چوری کے لیے کسے مقرر کیا تھا؟"

انٹیلی جنس والے پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے ان کے ساتھ ویڈیو فلمیں تیار کرنے والے بھی دو عدد کیمرا مین تھے اور لائٹس وغیرہ کا انتظام تھا۔ باقاعدہ ان کی متحرک ویڈیو فلم تیار ہو رہی تھی۔

دھرم راج سکینہ نے کہا "یہ ہم پر نیا الزام ہے۔ ہم نے کبھی کسی ٹاپ سیکرٹ فائل کو چرانے کی کوشش نہیں کی۔ جو شخص پہلے پکڑا گیا تھا، اس نے سزا کے خوف سے "را" تنظیم کا نام لیا تھا لیکن ابھی ہم نے کسی کے ساتھ ایسا نہیں کیا ہے مگر ہم بہت دور

کی خبر رکھتے ہیں۔"

چیف نے پوچھا "وہ دور کی خبر کیا ہے؟"

"یہاں ایک بہت ہی مکار فری لانسر سراغ رساں ہے' اس کا نام کے ملہوترا ہے۔ وہ سی' بی' آئی کے لیے کام کررہا ہے۔ اس نے آپ کے اصلی علی سردار بھٹی کو قتل کرا دیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی کو بھی ہلاک کردیا تھا اور اس کی جگہ خود موجود ہے۔ اس نے پلاسٹک سرجری کے ذریعے خود کو علی سردار بنایا ہوا ہے کیونکہ اسی کی طرح قد آور ہے۔ ویسی ہی جسامت رکھتا ہے بلا کا نقال ہے۔ اسی کے لب ولہجے میں بولتا ہے۔ ویسے ہی لکھتا پڑھتا ہے اور دستخط بھی بالکل ویسے ہی کرتا ہے۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ابھی ہمارے ڈپارٹمنٹ میں جو علی سردار بھٹی ہے' وہ اصلی نہیں ہے کوئی دشمن نقال ہے۔"

"بالکل یہی ہے آپ اسے گرفتار کرکے معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔"

چیف نے موبائل فون نکال کر نمبر پنچ کیے۔ دوسری طرف وہ سارہ کے ساتھ کار میں گھوم رہا تھا' اس کے فون کا بزر سنائی دیا سارہ نے کہا "لو بج گئی خطرے کی گھنٹی۔"

اس نے مسکرا کر جیب سے موبائل فون نکالا پھر اسے آن کیا اور کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے چیف کی آواز سنائی دی "ہیلو' علی سردار!"

"لیس' چیف میں بول رہا ہوں۔"

"تم' ابھی عبداللہ رشید کے بنگلے میں چلے آؤ۔ جتنی جلدی ہوسکے دیر نہ کرو۔ کم آن!"

رابطہ ختم ہوگیا۔ اس نے موبائل فون بند کرکے جیب میں رکھا' سارہ نے پوچھا "کس کا فون تھا؟"

"تم نے درست کہا تھا' خطرے کی گھنٹی بج چکی ہے ہمیں ذرا اس مشہور لیڈر عبداللہ رشید کے بنگلے کی طرف جانا ہے۔ اسی طرف چل پڑو۔"

"اب تو تمہیں وہاں گھنٹوں لگ جائیں گے۔ مجھے تمہیں وہاں ڈراپ کرکے تنہا جانا ہوگا۔"

"ایسی بات نہیں ہے میں تمہیں چھوڑنا نہیں چاہتا۔ تم بھی میرے ساتھ چلوگی۔"

وہ خوش ہوکر بولی "پھر تو میں آندھی کی رفتار سے چلوں گی۔"

دوسری طرف دھرم راج سکینہ کے بڑے سے ڈرائنگ روم میں ویڈیو مووی تیار ہورہی تھی۔ دھرم راج سے' امرناتھ سے اور اس کے ماتحتوں سے طرح طرح کے سوالات کیے جارہے تھے ایسے وقت وہ سارہ کے ساتھ وہاں پہنچا۔ اس نے وہاں پہنچتے ہی ڈائریکٹر جنرل اور چیف کو سیلیوٹ کیا۔ ڈائریکٹر جنرل نے سارہ کو دیکھ کر کہا "یہ تم کسے اپنے ساتھ لائے ہو؟"

"سر میں چھٹی پر ہوں اور یہ میری منگیتر ہے لہٰذا میں نے سوچا اگر کام مختصر ہوا تو بات کرکے اس کے ساتھ واپس چلا جاؤں گا۔"

ڈائریکٹر جنرل نے کوڈ ورڈز میں اس سے کچھ باتیں کیں۔ اس نے بھی جواب میں کوڈ ورڈز میں کچھ جوابات دیے پھر ڈائریکٹر جنرل نے دھرم راج سکینہ سے کہا "دیکھو یہ ہمارے بہت ہی خفیہ کوڈ ورڈز جانتا ہے۔ جسے کوئی نقال بھی نہیں جان سکتا۔"

"یہ بہت بڑا مکار ہے۔ بہت گہرائی تک پہنچ کر ایسا کام کرتا ہے کہ ناممکن کو بھی ممکن بنا دیتا ہے۔"

"پھر کیسے معلوم کیا جائے کہ یہ علی سردار بھٹی نہیں بلکہ تمہارے بیان کے مطابق کے ملہوترا ہے۔"

"جناب آپ نے تو ہمارا نچلا لباس اتار دیا تھا۔ اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں حقیقت سامنے آجائے گی۔"

ڈائریکٹر جنرل نے اپنے دو ماتحتوں سے کہا "یہاں ایک لڑکی ہے۔ تم لوگ علی سردار کو دوسرے کمرے میں لے جا کر چیک کرو۔"

کئی ماتحت علی سردار کو گھیرے میں لے کر دوسرے کمرے میں جانے لگے۔ سارہ حیرانی اور پریشانی سے دیکھ رہی تھی پھر اس نے ڈائریکٹر جنرل سے پوچھا "میں آپ کو جانتی تو نہیں ہوں لیکن یہ سمجھ رہی ہوں کہ آپ بہت بڑے افسر ہیں' بات کیا ہے؟"

"بات تمہارے لیے اچھی بھی ہوسکتی ہے اور بری بھی ہوسکتی ہے۔ تم علی سردار کو دل وجان سے چاہتی ہو۔ ہمیں پتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کی ہلاکت کے بعد تم سے شادی کرنے والا ہے۔ اگر وہ علی سردار ہوا تب یہ شادی ہوسکے گی ورنہ تمہیں ساری زندگی افسوس رہے گا۔"

"آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ علی سردار نہیں ہے' کوئی بہروپیا بھی ہوسکتا ہے۔"

"ہاں' ہونے کو بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔"

وہ لوگ جلد ہی دوسرے کمرے سے باہر آگئے۔ وہ اپنی پینٹ کے بٹن لگا رہا تھا۔ ایک ماتحت نے کہا "سر' یہ مسلمان ہے۔"

ڈائریکٹر جنرل اور چیف نے دھرم راج کی طرف دیکھا۔ دھرم راج سکینہ نے کہا "یہ بہت بڑا مکار ہے۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں یہ ایک ایک باریکی پر نظر رکھتا ہے اور پھر کوئی کام کرتا ہے۔ اسی لیے یہ دنیا کی تمام خفیہ اہم ایجنسیوں میں مشہور ہے اور تمام ایجنسیاں اس سے کام لیتی ہیں۔"

"تمہارے ایسے کہہ دینے سے یہ مسلمان سے ہندو نہیں ہوسکتا۔"

"ہم سچ کہہ رہے ہیں یہ کے ملہوترا ہے' یہ اپنے پورے جسم کی پلاسٹک سرجری کرانے کے بعد بالکل مسلمان نظر آنے لگا ہے۔"

چیف نے پوچھا "کیوں علی سردار' تم اس کے جواب میں کیا کہتے ہو؟"

"آپ سب بھی جانتے ہیں۔ کے طھوترا بہت ہی چالباز اور بہت زبردست نقال ہے۔ وہی میرا بہروپ بدل کر اس ٹاپ سیکرٹ فائل کو یہاں سے لے جاسکتا تھا لیکن میری لالچی بیوی حشمت خانم کی غلطیوں سے پتا چل گیا کہ یہ لوگ اندر ہی اندر کچھ ایسی کھچڑی پکارہے ہیں جس سے میری جان کو بھی خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ جب وہ لندن گئی تو بھید اور کھل گیا۔ کوئی امیر جان نامی اسمگلر نہیں تھا۔ حشمت خانم نے کسی اپارٹمنٹ میں قیام کیا تھا' وہاں اس کے نام سے ایک بنگلا خریدا گیا تھا اور اس کے بینک اکاؤنٹ میں کئی ہزار پاؤنڈ رکھے گئے تھے۔"

چیف نے کہا "یہ باتیں تمہیں کیسے معلوم ہوئیں؟"

"جب وہ لندن سے واپس آئی تو سیدھی اپنے میکے گئی۔ شبہ اور مضبوط ہوگیا۔ اس نے لندن میں خریدے ہوئے بنگلے اور اپنے بینک بیلنس کے تمام کاغذات اپنے بیڈ روم میں جاکر چھپائے تھے۔ اس کے بعد میرے گھر آئی تھی۔ وہ اپنے میکے سے میرے گھر آکر دو گھنٹے تک رہی' اس کے بعد میں اس کے گھر گیا۔ وہ اپنے بیڈ روم کو ہمیشہ مقفل رکھتی تھی۔ میں نے دوسرے دروازے کو ایک چابی سے کھولا۔ اس کے اندر جاکر پھر اس کی الماری وغیرہ کھول کر تمام کاغذات دیکھے تو ان کاغذات کے علاوہ مجھے کچھ تصویریں بھی ملیں' جن میں وہ میرے ساتھ نظر آرہی تھی لیکن وہ میرے ساتھ لندن میں دکھائی دے رہی تھی جبکہ میں اس کے ساتھ لندن نہیں گیا تھا۔ تب میرے ذہن میں بات آئی کہ بہت لمبا اور گہرا کھیل کھیلا جارہا ہے۔ میں نے اس کی تمام چیزیں جوں کی توں رکھیں۔ الماری کو اسی طرح مقفل کیا پھر دروازے کو بھی مقفل کرکے وہاں سے چلا آیا۔ اپنے معتمد خاص ماتحت کو فون کرکے بتایا کہ حشمت خانم پر نظر رکھے اور اگر میرا کوئی ہم شکل نظر آئے تو اسے ہاتھ سے نہ نکلنے دے۔ کسی طرح گرفتار کرکے اسے اپنے ٹارچر سیل میں لے آئے پھر یہی ہوا' حشمت خانم میرے نام ایک خط لکھ کر...... چھوڑ کر باہر آئی تو میرا ہم شکل کے طھوترا گاڑی میں اس کا انتظار کررہا تھا۔ وہ اس کی گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی۔ جب وہ اپنے میکے پہنچ گئی تو کے طھوترا وہاں سے واپس اپنی خفیہ پناہ گاہ کی طرف جانے لگا۔ اس کا تعاقب جاری تھا جب اس کی پناہ گاہ کا علم ہوگیا تو پھر میرے آدمیوں نے اس پر دھاوا بول دیا اور اسے گرفتار کرلیا۔

"پہلے تو ہم نے اسے ٹارچر سیل میں لے جاکر اس سے اصلیت اگلوانے کی کوششیں کیں مگر وہ بہت ہی سخت جان تھا۔ ضدی تھا' اصلیت نہیں اگل رہا تھا تب ہم اسے گاڑی میں بٹھاکر ایک ویران جگہ لے گئے۔ ہمارے پاس دو عدد تعویذ تھے۔ میں نے ایک تعویذ اس کے گلے میں پہنایا پھر دوسرے تعویذ کو دور ایک درخت کی شاخ سے لٹکادیا اور اس سے کہا دیکھو یہ تعویذ کس طرح تمہارے چیتھڑے اڑادے گا۔

میں نے یہ کہہ کر ریموٹ کنٹرول کا ایک بٹن دبایا تو درخت میں لگے ہوئے تعویذ سے ایک زوردار دھماکا ہوا پھر اس درخت کی کئی شاخیں ٹوٹ کر گر پڑیں۔ صرف موٹا سا تنا رہ گیا۔ وہ اسے دیکھتے ہی دہشت زدہ ہوگیا۔ میں نے ریموٹ کنٹرول کا بٹن اس کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ "اب تمہارے بھی چیتھڑے ہوسکتے ہیں یا تو اپنی جان بچالو اور ہمارے رازدار بن جاؤ ورنہ موت کو گلے لگالو۔ جو پہلے ہی تمہارے گلے لگی ہوئی ہے۔"

اس نے پوچھا "اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم مجھے جان سے نہیں مارو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا لیکن جو ہم کہیں گے تم وہی کروگے۔" پھر میں نے اسے سمجھایا کہ وہ شام کو چھ بجے شکرپڑیاں حشمت خانم سے ملاقات کرنے جائے گا اور اب خود کو علی سردار ظاہر کرتا رہے گا۔

"ہم نے ایسا انتظام کیا کہ دوسرے دن شام کو چھ بجے سے پہلے حشمت خانم کے مکان کے سامنے ایک ٹیکسی والے کو کھڑا کردیا۔ وہ ڈرائیور بھی ہمارا ایک ماتحت تھا۔ حشمت خانم نے باہر نکل کر ٹیکسی کو سامنے دیکھتے ہی اسے شکرپڑیاں جانے کو کہا۔ وہ اسے وہاں لے گیا۔ شکرپڑیاں میں اوپن ریسٹورنٹ کی ایک میز پر کے طھوترا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی دوسری میز پر ہمارا ایک ماتحت ریموٹ کنٹرول لیے اس کے سامنے تھا۔ کے طھوترا کی آدھی جان نکلی ہوئی تھی کہ کہیں انگلی بٹن پر نہ دب جائے اور اس کے چیتھڑے نہ اڑ جائیں۔ اسے جیسا سمجھایا گیا تھا' وہ ویسے ہی عمل کررہا تھا۔ حشمت خانم ٹیکسی سے اتر کر آئی تو وہ خود ہی اٹھ کر اس کے ساتھ جانے لگا۔ ہمارا ماتحت بھی اس کے ساتھ ہی ذرا فاصلے پر تھا۔ وہاں وہ دونوں کچھ دیر باتیں کرتے رہے پھر کے طھوترا' حشمت خانم کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ کر جانے لگا تو حشمت خانم نے کہا۔ "ابھی ہمارے درمیان اختلافات ہیں لہٰذا میں تمہارے ساتھ نہیں بیٹھوں گی' تم آگے جاؤ۔"

"وہ آگے بیٹھ گیا۔ اسے ہم نے پہلے ہی بتادیا تھا کہ وہ ٹیکسی ڈرائیور ہمارا آدمی ہوگا۔ وہ ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال کر ڈرائیونگ کرتا رہے گا اور دوسرے ہاتھ میں ریموٹ کنٹرول رہے گا اور اس نے دیکھا کہ واقعی وہ ہمارا ماتحت ایک ہاتھ سے ٹیکسی ڈرائیو کررہا تھا اور اس کی گود میں ایک ریموٹ کنٹرول لٹکا ہوا تھا جس کے ایک بٹن کے قریب انگلی رکھی ہوئی تھی۔ ہمارا ماتحت بڑا ماہر تھا۔ بڑی مہارت سے تیزی کے ساتھ ڈرائیو کررہا تھا۔ طھوترا بھی اچھا خاصا فائٹر تھا لیکن وہ اس پر ذرا بھی حملہ کرنے کے لیے حرکت کرتا تو بٹن دب جاتا اس لیے وہ بے بسی سے بیٹھا ہوا تھا۔ حشمت خانم سے کہہ بھی نہیں سکتا تھا کہ ان کے ساتھ دھوکا ہورہا ہے۔ بہرحال وہ کھیڑیاں پنڈ جانے والے کچے راستے کے دو پہاڑوں کے درمیان آکر رک گئے۔"

ڈائریکٹر جنرل نے ہاتھ اٹھاکر کہا "علی سردار' بس اپنی داستان

ختم کرو‘ یہ تو ہم سب کی پلاننگ تھی۔ ہم صرف دھرم راج سکینہ کو سنانا چاہتے تھے کہ وہ جو کھیل ہمارے ساتھ کھیل رہا تھا اس کے جواب میں ہم نے کیا کھیل کھیلا ہے‘ کیا اب بھی تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟“

دھرم راج سکینہ نے کہا ”کے ملہوترا ایک شیطان ہے‘ بہت بڑا مکار ہے۔ اس کو اتنی آسانی سے قابو کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ جو لڑکی کھڑی ہوئی ہے خود اس بات کی گواہ ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے علی سردار کو گولیاں کھا کر مرتے دیکھا ہے پھر یہ آواگون کے عقیدے پر یقین رکھتی ہے کہ آدمی مرنے کے بعد دوسرا جنم لیتا ہے۔ اس دوسرے جنم والے عقیدے سے فائدہ اٹھا کر کے ملہوترا نے ایسی ایکٹنگ کی جیسے اس کی یادداشت ٹھیک طرح کام نہ کر رہی ہو۔ وہ کچھ باتیں بھول جاتا تھا اور کچھ باتیں یاد رہ جاتی تھیں۔“

سارہ نے کہا ”ہاں‘ جب میں نے اپنی آنکھوں سے علی سردار کو گولیاں کھا کر دم توڑتے دیکھا تو میں نے سوچا کہ یہ ضرور دوسرا جنم لے گا اور واقعی کچھ دنوں کے بعد اس سے میری ملاقات ہوگئی۔“

سارہ نے علی سردار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”اور جیسا کہ ہوتا ہے نیا جنم لینے والا اپنے پچھلے جنم کی بہت سی باتیں بھول جایا کرتا ہے‘ اسی طرح اسے بھی کچھ باتیں یاد تھیں اور بہت سی باتیں بھولا ہوا تھا۔ میں اسے یاد دلایا کرتی تھی اور یہ کہتا تھا کہ اس کا ایک اسسٹنٹ برکت اسے دفتر کے معاملات کے بارے میں بہت سی باتیں یاد دلاتا رہتا ہے۔“

چیف نے دھرم راج سکینہ سے پوچھا ”برکت کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟“

”ہم کسی برکت کو نہیں جانتے۔“

”لیکن برکت تم سب کو جانتا ہے۔ اس وقت ہماری حراست میں ہے۔ اس نے ٹارچر سیل میں سب کچھ اگل دیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ علی سردار نہیں ہے بلکہ کے ملہوترا ہے اور یہی سمجھ کر وہ اس کے ملہوترا کو دفتر کے تمام معاملات سمجھایا کرتا تھا۔“

دھرم راج سکینہ نے کہا ”پھر تو یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ اگر برکت ہمارا آدمی ہے۔ کے ملہوترا کا آدمی ہے تو پھر وہ سچ کہہ رہا ہے۔ یہ کے ملہوترا ہی ہے۔ آپ نہیں جانتے‘ اب بھی آپ بڑی اہم خفیہ ایجنسیوں سے معلومات حاصل کرسکتے ہیں کہ کے ملہوترا کو گرفت میں لینا کتنا مشکل کام ہے۔“

”لیکن وہ مشکل آسان ہوچکی ہے۔ کے ملہوترا اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ ہم تمہیں آخری موقع دیتے ہیں کہ تم اسے کے ملہوترا ثابت کردو۔“

سارہ حیرانی اور پریشانی سے دیکھ رہی تھی کہ اس کے سامنے اس کا جو محبوب کھڑا ہے‘ وہ واقعی علی سردار ہے یا کے ملہوترا؟ وہ دھوکا کھا رہی ہے یا اپنی محبت میں کامیاب ہورہی ہے؟

دھرم راج سکینہ نے کے ملہوترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم نے تو ہمیں پھنسا دیا لیکن تمہیں یاد ہے‘ میں نے کہا تھا کہ تمہاری ایک بہت بڑی کمزوری ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کروگے تو بُری طرح پھنسو گے۔“

وہ ہاں کے انداز میں سرہلا کر بولا ”ہاں‘ تم نے یہ دھمکی دی تھی کہ میری کوئی بہت بڑی کمزوری تمہارے ہاتھ میں ہے اور میں سمجھ رہا تھا کہ شاید تم مجھے دباؤ میں رکھنے کے لیے سارہ کو نقصان پہنچانا چاہوگے۔“

دھرم راج سکینہ نے کہا ”ہم عورتوں کا سہارا نہیں لیتے‘ ٹھوس ثبوت کے ساتھ میں ابھی تمہیں کے ملہوترا ثابت کردوں گا۔“

”زیادہ نہیں بولو‘ پہلے ثابت کرو۔“

دھرم راج سکینہ نے کہا ”آپ افسران جانتے ہیں کہ تمام جسم کی پلاسٹک سرجری ہوسکتی ہے لیکن انگلیوں کے نشانات نہیں بدلے جاسکتے۔ اگر کے ملہوترا انگلیوں کے بھی نشانات بدلنا چاہے گا تو وہ علی سردار بھٹی کی انگلیوں کے نشانات سے بالکل مختلف ہوں گے۔ کبھی کسی ایک آدمی کی انگلیوں کے نشان دوسرے آدمی کی انگلیوں کے نشان سے نہیں ملتے۔ آپ اس کے انگوٹھے کا نشان لے کر دیکھ لیجیے۔“

تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھاگئی پھر ڈائریکٹر جنرل نے اپنے ایک ماتحت سے کہا ”وہ جو علی سردار بھٹی کی فائل لے کر آئے ہو‘ اسے یہاں لاؤ۔“

وہ چلا گیا اور اس کے جانے اور آنے تک بڑا سسپنس برقرار رہا کہ اب کیا ہونے والا ہے؟ واقعی انگلیوں کے نشانات کبھی بدلے نہیں جاسکتے۔ وہ ماتحت فائل لے کر آگیا‘ ڈائریکٹر جنرل نے فائل کھول کر ایک صفحہ دھرم راج سکینہ کی طرف کرتے ہوئے کہا ”قریب آؤ اور دیکھو اس میں علی سردار بھٹی کا پورا ریکارڈ موجود ہے حتیٰ کہ دس انگلیوں کے نشانات بھی ہیں اور انگوٹھے کا نشان بھی ہے۔ ابھی اس کے سامنے سیدھے انگوٹھے کا دوسرا نشان لو۔“

اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ ایک کاغذ پر اس کے انگوٹھے کا نشان لیا گیا پھر اس کاغذ کو دھرم راج سکینہ کی طرف بڑھاتے ہوئے ڈائریکٹر جنرل نے کہا ”اس انگوٹھے کے نشان کو اپنے بھارت میں ”را“ تنظیم کے ہیڈکوارٹر میں بھیج دو اور ان سے پوچھو کہ یہ کے ملہوترا کے انگوٹھے کے نشانات ہیں یا علی سردار بھٹی کے؟ ہم تو اس وقت تصدیق کرچکے ہیں جب علی سردار بھٹی چھٹیوں کے بعد اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوا تھا۔ اس کے انگوٹھے کے نشانات لے کر ہم نے ماہرین کے پاس بھیج دیے تھے اور ماہرین نے تصدیق کی تھی کہ یہی علی سردار بھٹی ہے۔“

دھرم راج سکینہ نے حیرانی سے اس کاغذ پر انگوٹھے کے نشان کو ایسے دیکھا جیسے علی سردار بھٹی اسے ٹھینگا دکھا رہا ہو۔

* *